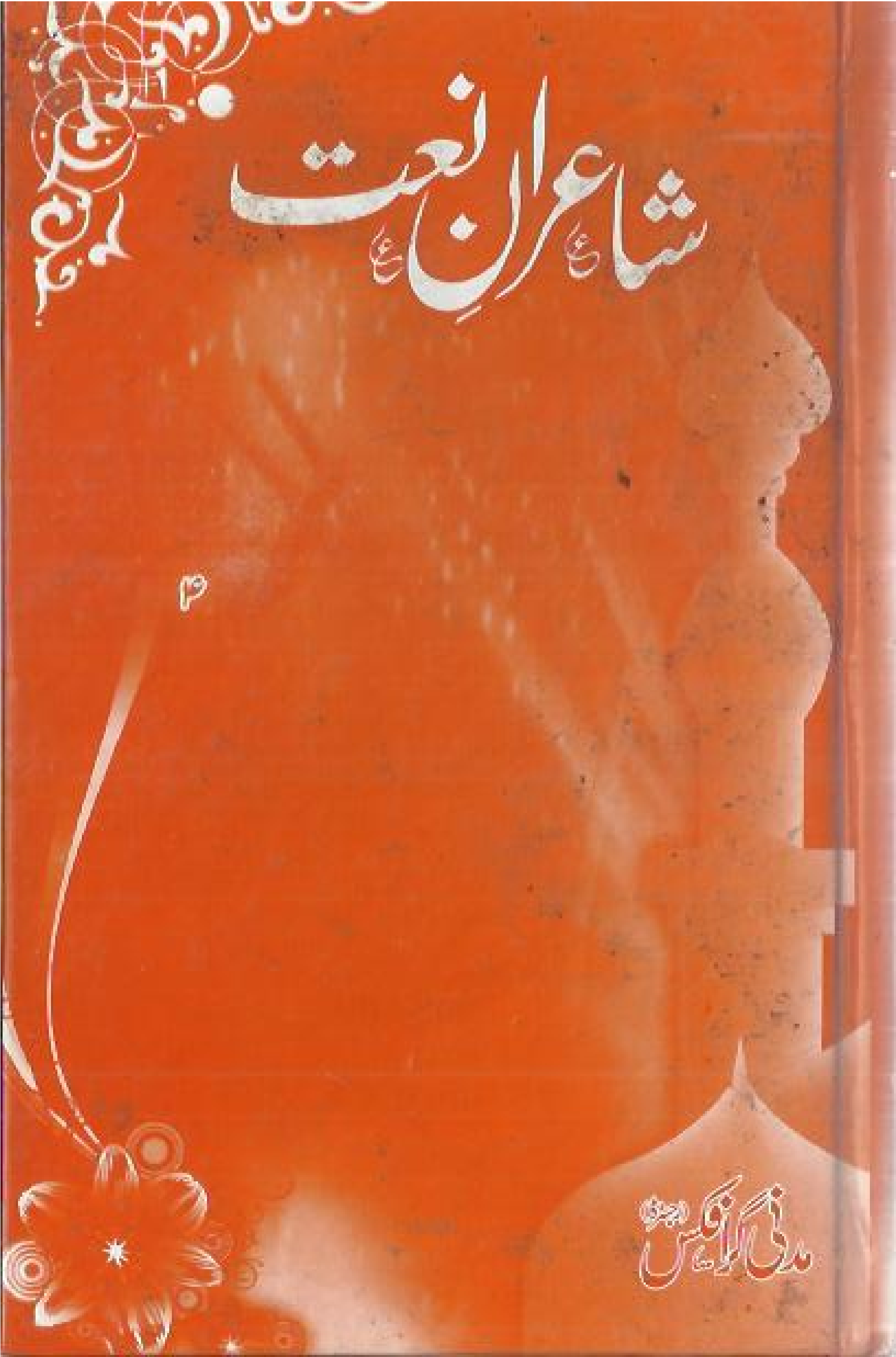

شاعرانِ نعت

۴

مدنی گرافکس

شاعرانِ نعت

راجا رشید محمود

ناشر:
مدنی گرافکس (رجسٹرڈ)

کتاب : شاعرانِ نعت

نعت گو : راجا رشید محمود

چیئرمین ”سید ہجویر“ نعت کونسل
صدر ایوانِ نعت رجسٹرڈ
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ”نعت“ لاہور

کمپوزنگ / ڈیزائننگ : مدنی گرافکس، انارکلی لاہور

پروف ریڈنگ : راجا اختر محمود

ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ ”نعت“ لاہور

مطبع : مدنی گرافکس، انارکلی لاہور

اشاعت : اول ۲۰۰۲

تعداد : ۵۰۰

ہدیہ : ۱۵۰ روپے

ناشر:
مدنی گرافکس (رجسٹرڈ)
عقب مزار قطب الدین ایبک، نیو انارکلی لاہور فون: 042-7230001

شاعرانِ نعت
کی عقیدتوں کے نام

فہرست مقالات

قدسی اور قدسی کی نعت
صفحہ ۵ تا ۱۲

کفایت علی کافی اور ان کی نعت گوئی
صفحہ ۱۳ تا ۲۴

امیر مینائی اور ان کی نعت گوئی
صفحہ ۲۵ تا ۳۹

نعتِ احمد رضا کے شعری محاسن
صفحہ ۴۰ تا ۶۱

اکبر وارثی میرٹھی
صفحہ ۶۲ تا ۷۲

حیات وارثی لکھنوی
صفحہ ۷۳ تا ۷۷

دِلّو رام کوثری
صفحہ ۷۸ تا ۸۹

لالہ لچھمی نرائن سخا
صفحہ ۹۰ تا ۹۶

قدسی ونعتِ قدسی

"مرحبا سید مکی مدنی العربی" مشہور نعت ہے جس کے مقطع میں (آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی) قدسی کا تخلص استعمال ہوا ہے مختلف کتابوں میں اس قدسی سے مراد حاجی محمد جان قدسی (۱) لیے گئے ہیں جو مشہد مقدس میں پیدا ہوئے (۲) مرآۃ الخیال میں ہے "قدسی' حاجی محمد جان کا تخلص جو اس نے اس لیے اختیار کیا کہ وہ مشہد (مقدس) کا رہنے والا تھا" ص ۸۵ (۳)

کسی تذکرے میں محمد جان قدسی کا سنِ ولادت نہیں ملتا۔ البتہ رفعت طاہرہ نقوی نے اپنے ایم اے کے مقالے "غزلیاتِ قدسی" کے مقدمے میں "بادشاہ نامہ" از عبدالحمید لاہوری کے حوالے سے قدسی کا ۱۰۳۲ھ میں ہندوستان آنا تسلیم کیا ہے اور قدسی کے ان شعروں کے حوالے سے جس میں انھوں نے پچاس برس کی عمر میں ہندوستان آنے کی بات کی ہے ان کا سنِ ولادت ۹۹۲ھ لکھا ہے۔ "ارمغانِ عقیدت" کے مرتبین نے بھی ان کے بعض اشعار کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ ۱۵۸۲ء کے قریب پیدا ہوئے (۴)

قدسی کے والدین اور رشتہ داروں کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں البتہ "سفینۂ خوش گو" میں بندرابن داس نے لکھا ہے کہ جب وہ ہندوستان آئے تو ان کے دو بیٹے اور خاندان کے دوسرے افراد مشہد میں موجود تھے۔ رفعت طاہرہ نقوی نے اپنے مقالے میں اعظمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قدسی کے ایک بیٹے کا نام محمد باقر تھا جو جوانی میں فوت ہوا۔ (۵) باقی دو بیٹوں کا نام نامعلوم ہے۔

محمد جان قدسی سفرِ ہند سے پہلے حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ (۶) "اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں ہے "قدسی نے شاہجہان کے پانچویں سال جلوس یعنی ۱۰۴۱ھ/ ۱۶۳۱ء۔۱۶۳۲ء میں وطن چھوڑ کر برصغیر پاکستان و ہند کا رخ کیا" (ارمغانِ عقیدت" کے مرتبین نے بھی یہی سن لکھا ہے'۱۶۳۱ء) لیکن رفعت طاہرہ نقوی نے اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ شیخ

عبدالحمید لاہوری نے ''بادشاہ نامہ'' میں لکھا ہے کہ قدسی ۱۰۴۲ھ میں ہندوستان آئے۔ محمد دین کلیم نے بھی ۱۶۳۲ء ہی کو درست مانا ہے۔ (۷)

قدسی ہندوستان آئے تو یہاں پہلے ابو عبداللہ حاکم گجرات کی مصاحبت میں رہے۔ پھر دربار شاہجہان سے وابستہ ہو گئے۔ قصائد کہتے رہے اور طرح طرح کے انعامات پاتے رہے۔ ۱۶۳۵ء میں بادشاہ کی تخت نشینی کی سالگرہ کے موقع پر جو قصیدہ پڑھا اسے سن کر بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ انھیں سونے میں تلوایا جس کا وزن ایک من اٹھارہ سیر ہوا۔ (۸)

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے ۱۹۵۵ میں ناگپور یونیورسٹی سے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے لیے جو مقالہ لکھا' اس میں قدسی کا سال وفات ۱۰۵۴ لکھا ہے۔ (۸) جو درست نہیں۔ ''نتائج الافکار'' میں ۱۰۵۶ لکھا ہے۔ (۱۰) ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی نے بھی یہی سن لکھا ہے۔ (۱۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' میں شمسی اور قمری دونوں سنین لکھے ہیں ۱۰۵۲ھ۔ ۱۶۳۶ء۔ (۱۲) شفیق بریلوی اور محمد دین کلیم نے بھی یہی سن نقل کیے ہیں۔ (۱۳)۔ (اگرچہ محمد دین کلیم کے مضمون میں شاید کتابت کی غلطی سے ۱۶۳۶ء کے بجائے ۱۶۴۳ لکھا ہے) پروفیسر سید یونس شاہ نے عیسوی سن لکھا ہے۔ (۱۴) اور رفعت طاہرہ نقوی نے سن کے ساتھ مہینے بھی لکھے ہیں یعنی ۱۹۳۲/۶ ربیع الثانی ۱۰۵۶ھ۔

قدسی کا مقبرہ بے نام و نشان ہے۔ شیخ عبدالحمید لاہوری اور عبداللہ قریشی نے لکھا ہے کہ قدسی نے کشمیر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ جبکہ نواب صدیق حسن' سراج الدین آرزو' لطف علی بیگ اور بندرابن داس کہتے ہیں کہ قدسی نے لاہور میں وفات پائی اور ان کی ہڈیوں کو مشہد لے گئے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۱۶/۱، ص ۳۱۰) میں بھی تحریر ہے۔ ''اس کی وفات لاہور میں ہوئی۔'' رفعت طاہرہ نقوی نے قدسی کی لاہور میں وفات کی تائید میں کلیم کاشانی کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

شد بلاہور گران گنج معانی در خاک
رفت تا طوس دلی غلغلۂ نوحہ گرش

رفعت طاہرہ نقوی نے اپنے مقالے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''۱۰۴۳ء میں شاہجہان جب کشمیر گیا تو قدسی ساتھ تھے۔''

''مرحبا سید مکی مدنی العربی'' حاجی محمد جان قدسی ہی سے منسوب چلی آ رہی ہے۔ جتنی تضمینیں اس نعت کی ہوئی ہیں' کسی اور نعت کی نہیں ہوئیں۔ پروفیسر خالد بزمی کہتے ہیں'' مولانا قدسی کی وہ نعت انتہائی مشہور و مقبول ہے جس کا مطلع یہ ہے۔۔۔۔۔

اس نعت کی حد درجہ مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ متعدد شعرائے کرام نے اردو اور فارسی میں اس نعت کی تضمینیں لکھی ہیں''۔ (۱۵) اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی لکھتے ہیں'' قدسی کی یہ نعت بقائے دوام حاصل کر چکی ہے۔ (۱۶) پروفیسر محمد اکرم رضا نے بھی لکھا '' قدسی کی یہ نعت بقائے دوام سے ہمکنار ہو چکی ہے اور اس نعت کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سیکڑوں فارسی اور اردو شعرا نے اس کے اشعار کی تضمین کی ہے''۔ (۱۷)

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی مضمون'' فارسی نعت۔۔ ایک سرسری جائزہ'' میں یوں رقم طراز ہیں۔ '' اس نعت کو جو شہرت و پزیرائی ملی وہ یہاں کی کم ہی فارسی نعتوں کو میسر آئی ہے۔ اس میں ایک بھولے بھالے معصوم سے انسان کی سی سادگی کے ساتھ حضور ﷺ کی چند صفات کا ذکر کر کے اپنے عاصی ہونے کا اقرار کیا اور حضور ﷺ سے شفاعت کی التجا کی ہے۔ اس نعت میں کوئی لفظی بازی گری اور کوئی مضمون آفرینی کا چکر نہیں۔ بس ایک انتہائی ادنیٰ انسان ایک عظیم و اکمل ذاتِ گرامی کے حضور دست بستہ کھڑا گویا درخواست پیش کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔ اگرچہ اس نعت میں کہیں کہیں عربی الفاظ بھی ہیں لیکن ایک تو وہ مشکل نہیں ہیں' دوسرے ان کی وجہ سے نعت میں ایک خاص وجد آور سماں بندھ گیا ہے اور شاید یہی بات اس کی پر تاثیری کا سبب بنی ہے۔'' (۱۸)

یہ نعت حاجی محمد جان قدسی ہی سے منسوب ہے لیکن ان کے دیوان میں نہیں ہے۔ فارسی شعرا کے تذکروں میں جہاں ان قدسی کا ذکر آیا ہے' ان کی غزلیات کا' قصائد اور مثنویوں کا ذکر ہوا ہے لیکن ان کی نعت گوئی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور اس نعت کا بھی حوالہ نہیں ملتا۔ صرف سید حسام الدین راشدی نے ''تذکرۂ شعرائے کشمیر'' میں یہ نعت ان سے منسوب کی ہے لیکن ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ نعت محمد جان قدسی ہی کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ '' مثل قصیدہ بردہ و قصیدہ بانت سعاد' این نعتِ قدسی نیز مقبولِ عام و شہرتِ دوام دارد۔ در ہند و پاک شعرای ہر زبان این نعت را تضمین کردہ اند و تعداد تضمین ہا بیش از شصت و ہشتاد دیدہ می شود''۔ (۱۹) ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی نے بھی یہ نعت شاہجہانی دور کے انھی مشہور قصیدہ گو قدسی (م ۱۰۵۶ھ) سے

منسوب کی ہے۔(۲۰)

پروفیسر سید یونس شاہ حاجی قدسی مشہدی کے بارے میں جو شاہجہان کے درباری شاعر تھے لکھتے ہیں کہ ''قدسی کا بڑا کارنامہ جسے عوام میں بڑی مقبولیت حاصل ہے' وہ اس کی نعت نگاری ہے۔ فارسی شعرا میں قدسی اپنی نعتیہ شاعری کی وجہ سے آج ہم سے متعارف ہے۔ اپنے مذہبی مسلک اور عقیدتِ اہلِ بیت کی وجہ سے قدسی نے اماموں کے قصیدے بھی لکھے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مدح و نعت کے پھول بھی نچھاور کیے۔ قدسی کی اس نعت (مرحبا سید مکی ------) کی عام پذیرائی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاک و ہند کے بیشتر شاعروں نے اس پر تضمینیں لکھیں ------ یہ سلسلہ دورِ حاضر تک جاری ہے۔ قدسی کی اس نعت کو جو شرف حاصل ہوا ہے' وہ اس کے خلوص و جذبے کا آئینہ دار ہے اور یہ خاص فضلِ ایزدی ہے''۔(۲۱)

علیم ناصری نے بھی اس کی نعت گوئی کا ذکر کیا ہے ''مہمات کے قصے' قصائد اور غزلیات اس کے فرائضِ منصبی میں شامل رہے' مگر وہ ایک دیندار شخص ہونے کے باعث حمد و نعت بھی لکھتا تھا۔ اس کی ایک نعت اس قدر شہرت رکھتی ہے کہ بڑے بڑے شعرا نے اس پر تضمینیں کی ہیں جن سے اس کی نعت کی تاثیر اور کیف و سوز کا اندازہ ہوتا ہے''۔(۲۲) محمد دین کلیم (مؤرخ لاہور) نے لاہور میں پیوندِ خاک ہونے والے شعرا کے تذکرے میں حاجی محمد جان قدسی کو اس نعت کا شاعر قرار دیا ہے۔(۲۳) حسنین کاظمی بھی ''مرحبا سید مکی مدنی العربی'' کو حاجی جان محمد قدسی مشہدی کی نعت بتاتے ہیں۔(۲۴)

علیم ناصری اور دوسرے بعض حضرات یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان محمد جان قدسی نے بہت سی نعتیں کہیں جن میں زیرِ نظر نعت بہت مقبول ہوئی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی اسی انداز میں بات کرتے ہیں' اردو شعرا نے جتنا اثر قدسی و جامی کی نعتوں کا قبول کیا ہے' کسی اور فارسی شاعر کا قبول نہیں کیا۔ سیرت کے جلسوں سے لے کر سماع کی محفلوں تک ان دونوں کی نعتیں بصد شوق پڑھی اور گائی جاتی ہیں ------ قدسی کی ایک نعت تو فکر و فن اور جذب و اثر کے لحاظ سے ایسی بلند پایہ ہے کہ دوسری زبان میں اس کا جواب ملنا مشکل ہے''(۲۵) ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق بھی قدسی کی نعت نگاری کا ذکر کرتے ہوئے یہی تاثر دیتے ہیں کہ قدسی کا نعتیہ کلام محض ایک نعت نہیں' ''قدسی کا نعتیہ کلام بھی حبِّ رسول ﷺ کے نہایت لطیف اور جوشیلے مضامین سے پُر ہے(۲۶)

..........لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ایک نعت کے سوا ان قدسی کا کوئی اور نعتیہ کلام نہیں ملتا۔ اور یہ نعت بھی ان سے منسوب تو ہے لیکن ایک تو ان کے دیوان میں نہیں ہے' دوسرے مثلاً سید حسام الدین راشدی یا دوسرے حضرات نے ان سے منسوب کرتے ہوئے کوئی ثبوت نہیں دیا ہے کہ یہ نعت انھی کی ہے۔ ''ارمغانِ عقیدت'' کے مؤلفین البتہ ایک کمزور دلیل لائے ہیں۔ فرماتے ہیں ''ان کی ایک نعت مشہورِ زمانہ ہے' جو ان کے دیوان میں تو موجود نہیں لیکن اکثر علما نے اسے قدسی ہی سے منسوب کیا ہے۔ غلام قادر گرامی ایسے نامور شاعر نے قدسی کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے''

ابنِ مریم کہ اسمہٗ احمد ﷺ گفت
گفتم عجمی گفت کہ نے نے عربی
وا کن مژہ' مصرعے ز قدسی برخواں
مکی مدنی ہاشمی و مطلبی (۲۷)

لیکن کریم بخش خالد اس نعت کو قدسی مشہدی کے بجائے کسی قدسی دہلوی سے منسوب کرتے ہیں' لکھتے ہیں۔ قدسی کی فارسی نعت بھی اتنی ہی مشہور ہے کہ فارسی اور اردو کے کئی شاعروں نے اس پر مخمس تضمینیں کہی ہیں۔ لاڑکانہ کے مرحوم نواز علی نیاز نے سندھی میں رقت آمیز مخمس کہی ہے۔ عام طور پر غلطی سے اس نعت گو قدسی کو قدسی مشہدی سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ قدسی دہلوی ہے''۔(۲۸)

میری یہ کوشش ابھی تک بارآور نہیں ہوئی کہ میں قدسی دہلوی تک پہنچ سکوں۔ مرکزی مجلس رضا' لاہور کے فاضل صدر محمد شفیع رضوی (مرحوم) نے مجھے بتایا کہ انھوں نے کہیں یہ بحث پڑھی ہے کہ قدسی دو ہیں اور اس نعت کے شاعر قدسی' حاجی محمد جان قدسی مشہدی نہیں' کوئی اور ہیں۔ (کوئی صاحب اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں تو میں ممنون ہوں گا۔ محمود) ------ مجھے ایک قدسی شیرازی تو ملے ہیں۔ میرزا محمد حسینی شیرازی متخلص بہ قدسی (متولد ۱۲۸۸۔ متوفی ۱۳۶۱)۔ محمد حسین رکن زادہ آدمیت ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''در گفتن اشعار عربی و فارسی صاحبِ ذوقِ سلیم و طبعِ مستقیم است' ازاں منظومہ گاہ گاہ از افکار ابکار خویش بسلکِ اشارات و عبارات مرتب ساختہ' دفتری پرداختہ از قصیدہ و مسمط و مثنوی و غزل و رباعی و چند شعری اکتفا نمودہ تیمناً نوشتہ می

شود"۔ (۲۹) نیز لکھتے ہیں "از فضلا و ادبا و شعرا و خوشنویسان معاصر است و از دوستانِ قدیم نگارندہ این اوراق بود"۔ (۳۰)

مختلف تصانیف میں زیرِ نظر نعتِ قدسیؔ کے پانچ' سات' آٹھ' نو۔ اشعار دیے گیے ہیں۔ سید حسام الدین راشدی نے اپنے تذکرے میں گیارہ اشعار دیے گیے ہیں۔ اس میں یہ شعر نہیں ہے۔

عاصیانیم ز ما نیکیٔ اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے کسی

اس نعت کے ۱۲۔ اشعار "بوستانِ نعت" میں دیے گئے ہیں۔ (۳۱) "حدیثِ قدسیؔ" میں جو تضمینیں شامل ہے' ان میں کسی نے پوری نعت اور کسی نے کچھ اشعار پر طبع آزمائی کی ہے۔

قارئینِ محترم محسوس فرمائیں گے کہ مختلف تضمینوں میں بعض مصرے مختلف ہیں۔ چونکہ اصل کلام اپنے پورے مآخذ کے ساتھ دستیاب نہیں ہے۔ اس لیے جس شاعر نے جس طرح قدسیؔ کا کوئی مصرع پڑھا ہے اور لکھا ہے' میں نے اسی طرح رہنے دیا ہے۔ یوں آپ کو اس طرح کی صورتیں نظر آئیں گی۔

شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت
شبِ معراج عروجِ تو گزشت از افلاک
سیدی انتَ حبیبی و طبیبِ قلبی
یا طبیب الفقرا۔ انتَ شفاء القلوب
چشمِ رحمت بکشا' سوئے من انداز نظر
چشمِ رحمت بکشن سوئے غریبان بنگر۔۔۔ وغیرہ

"نعتِ قدسیؔ" کے محدود صفحات کے پیشِ نظر تضمینیں پوری نہیں دی جاسکیں۔ بعض نعتوں کے تو تبرکاً ایک یا دو اشعار ہی دیے جاسکے ہیں اور چند شعرا کی کاوشیں شامل نہیں بھی کی گئیں۔ اس کے باوجود مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف ہے کہ ابھی بہت سی تضمینیں ایسی ہوں گی جن تک میری رسائی نہیں ہوئی۔۔۔ اسی ایک بات سے اس نعت کی مقبولیت کا اندازہ فرمائیں اور اس نعت کے اصل خالق کی تلاش میں میری معاونت کریں۔۔۔ راجا رشید محمود

حواشی

(۱) بعض حضرات نے ان کا نام محمد خان بھی لکھا ہے جو درست نہیں۔ "ایک مشہور فارسی گو حاجی محمد خاں خراسانی شاعر کا تخلص جو نہایت فصیح اور بلیغ کلام رکھتے تھے۔" (فرہنگِ آصفیہ جلد سوم۔ ص ۳۷۴)

(۲) مقبول بیگ بدخشانی' میرزا' عبدالغنی' ڈاکٹر۔ ارمغانِ عقیدت ص ۹۱/ ماہنامہ "شام و سحر" لاہور۔ نعت نمبر (نقشِ ثانی) ۱۹۸۲۔ ص ۲۸۰۔ مضمون "لاہور کے نعت گو شعرا" از محمد دین کلیم/ یونس شاہ' پروفیسر سید۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۱۱۵

(۳) اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ۱۶/ ۱۔ ۱۹۷۸/ ص ۳۱۰۔ قدرت اللہ۔ تذکرہ نتائج الافکار۔ ص ۵۲۲/ رفعت طاہرہ نقوی کا ایم اے کا مقالہ بعنوان "غزلیاتِ قدسیؔ"

(۴) ارمغانِ عقیدت۔ ص ۹۱

(۵) اعظمی۔ تاریخِ کشمیر۔ ص ۱۰۱

(۶) مرآۃ الخیال میں ہے (ص ۸۵) کہ وہ حج کے لیے گیا اور وہاں سے برصغیر آیا۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔ جلد ۱۶/ ۱۔ ص ۳۱۰)

(۷) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور۔ نعت نمبر (نقشِ ثانی) ۱۹۸۲۔ ص ۲۸۰

(۸) ارمغانِ عقیدت ص ۹۱

(۹) رفیع الدین اشفاق' ڈاکٹر۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ۱۹۷۶۔ ص ۹۲

(۱۰) قدرت اللہ۔ نتائج الافکار۔ ص ۵۶۳

(۱۱) مجلّہ "نقوش" لاہور۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد دہم۔ ص ۱۴۲ (مضمون "فارسی نعت۔۔ ایک سرسری جائزہ")

(۱۲) ص ۳۱۰

(۱۳) شفیق بریلوی (مرتب) ارمغانِ نعت ص ۸۹/ "شام و سحر" نعت نمبر ۱۹۸۲۔ ص ۲۸۰

(۱۴) تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۱۱۵

(۱۵) "شام و سحر" نعت نمبر ۳۔ ۱۹۸۵۔ ص ۳۰۷' ۳۰۸

(۱۶) ''شام وسحر'' نعت نمبر۱۔ ۱۹۸۱۔ ص ۲۶

(۱۷) ''شام وسحر'' نعت نمبر۶۔ ۱۹۸۷۔ ص ۶۵

(۱۸) ''نقوش'' رسول ﷺ نمبر۔ جلد دہم۔ ص ۶۲

(۱۹) حسام الدین راشدی، سید۔ تذکرہ شعرائے کشمیر۔ بخش سوم، طبع دوم ۱۹۸۲۔ ص ۱۲۷۲، ۱۲۷۳

(۲۰) ''نقوش'' رسول ﷺ نمبر۔ جلد ہشتم۔ ص ۱۲۲۔۱۲۷۳

(۲۱) تذکرہ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۱۱۶، ۱۱۷

(۲۲) ''شام وسحر'' نعت نمبر۱۔ ۱۹۸۱، ص ۱۹۶، ۱۹۷ (مضمون ''فارسی میں نعتیہ کلام'')

(۲۳) ''شام وسحر'' نعت نمبر (نقشِ ثانی) ۱۹۸۲۔ ص ۲۸۰

(۲۴) مجلہ ''مہک'' گوجرانوالہ۔ نذرانۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین ﷺ۔ ص ۲۱۶ (مضمون ''ایرانی شعرا کی نعت گوئی'')

(۲۵) فرمان فتحپوری، ڈاکٹر۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ۱۹۷۴۔ ص ۳۵، ۳۶

(۲۶) اردو میں نعتیہ شاعری۔ ۱۹۷۶۔ ص ۹۲

(۲۷) ارمغانِ عقیدت۔ ص ۹۱

(۲۸) ماہنامہ ''اظہار'' کراچی۔ سیرت نمبر ۱۹۸۰۔ ص ۹۰ (مضمون ''ثنائے خواجہ ﷺ اور غالب'' از کریم بخش خالد)

(۲۹) محمد حسین رکن زادہ آدمیت (مؤلف) دانشمندان و سخن سرایانِ فارس جلد ۲، مطبوعہ تہران۔ ۱۳۴۰۔ ص ۱۹۶

(۳۰) ایضاً۔ ص ۱۹۵

—— ''نعتِ قدسی'' کا مقدمہ۔ جولائی ۱۹۸۸ء ——

کفایت علی کافیؔ اور اُن کی نعت گوئی

مولانا کفایت علی کافیؔ شہید (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حالاتِ زندگی اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ان کی خدمات کا ذکر ابتدائی طور پر ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری نے کیا (۱) بعد میں خورشید مصطفیٰ رضوی، عشرت رحمانی اور محمد صدیق قریشی وغیرہ نے اپنی کتابوں (۲) میں آگرہ، مراد آباد، رامپور اور بریلی میں جہادِ آزادی کے سلسلے میں مولانا کافیؔ کی کاوشوں کا تذکرہ کیا۔

مولانا کافیؔ کے بزرگ مراد آباد کے قدیم باشندے تھے اور ان کا شمار برگزیدہ علما میں ہوتا تھا۔ (۳) ابتدائی تعلیم مراد آباد میں حاصل کی۔ بدایوں اور بریلی تحصیلِ علم کے سلسلے میں رہے۔ شاہ ابو سعید مجددی رامپوریؒ سے علمِ حدیث پڑھا۔ "حیاتِ صدرُ الافاضل" میں ہے کہ مولانا کافیؔ، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے والد مولانا معین الدین نُزہتؔ کے ہم سبق بھی رہے جو حضرت داغؔ دہلوی کے بھی ممدوح تھے (۴)

بدایوں کے مولانا محمد اسحٰق صدیقی (شاگردِ مولانا فیض احمد بدایونی علیہ الرحمہ۔ المتوفی ۱۲۹۷ھ) سے خاص تعلقات رہے۔ مولانا کافیؔ کی کتاب "داستانِ صادق" کے بارے میں عشرت رحمانی لکھتے ہیں کہ یہ کتاب انھوں نے مولانا محمد اسحاق صدیقی کے حالات و فضائل پر لکھی (۵) پروفیسر محمد ایوب قادری نے "داستانِ صادق" کو نظم قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں مولوی محمد اسحاق بدایونی کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے (۶)

کفایت علی کافیؔ فنِ طبابت میں مولانا رحمان علی مؤلفِ "تذکرۂ علماءِ ہند" کے والد، حکیم شیر علی کے شاگردِ خاص تھے (۷)

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ مولانا کافیؔ کا قیام، تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء

سے پہلے آگرہ میں بھی رہا' اسی لیے تذکرہ "گلشن بے خزاں" میں ان کا ذکر ہے۔ جبکہ عشرت رحمانی کہتے ہیں کہ "مولانا کافیؔ ۱۸۵۷ء کے اوائل میں آگرہ میں جہادِ حریت کے اکابر رہنماؤں حضرت احمد اللہ شاہ اور دیگر حضرات کی مجالس میں برابر شریک ہوتے رہے۔ جنگِ آزادی کے آغاز کے ساتھ ہی مجلسِ مجاہدین کے مشورے کے مطابق روہیل کھنڈ آئے۔ پہلے بریلی رہے' اس کے بعد رام پور ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچے۔ ہر جگہ جہادِ حریت کی سرگرمیوں میں بڑے جوش و خروش سے عملی حصہ لیا۔ مراد آباد میں نواب مجد الدین عرف نواب مجو خاں' مولانا وہاج الدین صاحب اور دوسرے رہنماؤں کے ساتھ شریکِ کار ہو کر انقلابی سرگرمیوں اور معرکہ آرائیوں میں مصروف رہے۔ جب غازیانِ وطن کے لشکر نے پہلی یلغار کی تو مولانا کافیؔ بھی ان کے ساتھ تھے۔ آزاد قومی حکومت کے قیام کے بعد مولانا کفایت علی کو "صدر الشریعہ" بنایا گیا۔ مولانا روزانہ مجاہدین کو احکامِ شرع کی تلقین کرتے اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد مولانا وہاج الدین صاحب کے ساتھ مل کر مساجد میں جہاد کی تقویت کے لیے وعظ کرتے۔

آزاد حکومت کے قیام کے دوران مولانا کافیؔ آنولہ اور دوسرے علاقوں میں فتویٰ جہاد کی تبلیغ اور انقلابی تنظیم کے لیے دورے کرتے رہے اور جگہ جگہ انھوں نے عوام میں اپنی پُراثر تقریر و منظوم رجز خوانی سے روحِ عمل پھونکی (۸)۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ "مولانا کافیؔ نے نشر و اشاعت کا خوب کام کیا۔ فتویٰ جہاد کی نقول آپ نے دوسرے مقامات پر بھجوائیں بلکہ بعض مقامات پر خود گئے۔ قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں خاص اسی مقصد کے لیے گئے (۹)۔

آنولہ سے بریلی آئے (۱۰) اور نواب خان بہادر خاں اور امام المجاہدین مولانا سرفراز علی کے ساتھ انقلابی مجالس میں شریک ہو کر مشورے کرنے کے بعد جنرل بخت خاں کی قیادت میں لشکرِ آزاد کے ساتھ مراد آباد واپس آگئے اور یہاں صفِ اول کے مجاہدین میں پیش پیش نظر آتے رہے۔ مراد آباد میں دوسرے انقلابیوں کے علاوہ' خاص طور پر شیخ افضل صدیقی' شیخ بشارت علی خاں اور مولانا سبحان علی ان کے ساتھ رہنماؤں میں شامل تھے۔"(۹)

جنرل بخت خاں کی فوج مراد آباد سے گزر گئی تو نواب رامپور نے پھر مراد آباد پر قبضہ کر لیا۔ پھر شہزادہ فیروز شاہ کا گزر مراد آباد سے ہوا تو ریاست رامپور کی فوج کو سخت زک اٹھانی پڑی۔ لیکن جنرل جونس کی آمد کی خبر معلوم ہوتے ہی شہزادہ فیروز شاہ نے میدان چھوڑ دیا۔ ۲۵۔ اپریل ۱۸۵۸ء کو ریاست رامپور کے اہلکاروں نے مراد آباد کا انتظام جنرل جونس کے سپرد کر دیا۔ (۱۲) مولانا کافیؔ چار پانچ روز روپوش رہے لیکن جذبۂ حریت و عشق نے انھیں نچلا نہ بیٹھنے دیا اور جوش و خروش میں پھر باہر نکل آئے۔ آخر ۳۰۔ اپریل مطابق ۱۶ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ کو گرفتار کر لیے گئے (۱۳)۔

انگریزوں نے مولانا کفایت علی کافیؔ کو گرفتار کیا تو سزائیں شروع ہوئیں۔ جسم پر گرم گرم استری پھیری گئی۔ زخموں پر نمک مرچ چھڑکی گئی۔ اور آخر کار اس عاشقِ رسول ﷺ کو برسرِعام چوک مراد آباد میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا (۱۴)۔

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں "......... پھانسی کا حکم ہوا۔ مولانا کافیؔ نے یہ حکم سنتے ہی خوشی کا اظہار کیا اور جب مولانا کو پھانسی دینے کے لیے لے جایا گیا تو مولانا کافیؔ نہایت بلند آواز سے اپنی تازہ غزل پڑھتے ہوئے جا رہے تھے ....۔

مولانا کفایت علی کافیؔ کو جیل مراد آباد کے پاس مجمع عام پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی" (۱۵)۔

مولانا محمد عمر نعیمی مراد آبادی کہتے ہیں کہ شہادت کے قریباً ۳۵ برس بعد مولانا کافیؔ کی قبر کھل گئی تھی۔ دیکھا تو جسم ویسا کا ویسا تھا۔ مولانا محمد عمر نعیمی کے نانا شیخ کرامت علی ٹھیکیدار نے جسم کو دوسری جگہ عقب جیل میں منتقل کر کے دفن کر دیا (۱۶) امداد صابری مولوی ظفر الدین مراد آبادی کے حوالے سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک سڑک بدھ کے بازار سے نکالی جا رہی تھی۔ مولانا کافیؔ کے مزار کا نشان نمایاں نہیں تھا۔ مزدور نے جب پھاوڑا چلایا تو مولانا کی پنڈلی پر لگا اور وہ نظر آئی۔ انگریز انجینئر نے احتراماً قبر کو درست کروایا اور سڑک کا رخ بدل دیا جس کی وجہ سے سڑک میں ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے۔ مولانا کافیؔ کی قبر کنجری سرائے مویشی خانے کے سامنے ہے اور اسی قبر میں جسمِ مبارک ہے۔ اسے کہیں اور منتقل نہیں کیا گیا (۱۷) لیکن ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب

قادری کی تحقیق یہ ہے کہ "قبر عقبِ جیل تاہنوز محفوظ ہے" (۱۸)۔

مولانا کفایت علی کافی کے علم و فضل کے حوالے سے لکھا گیا کہ وہ تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارتِ کامل رکھتے تھے، خصوصاً "علمِ طب، صَرف و نحو اور شاعری و ادب وغیرہ میں کمال حاصل تھا۔ (ڈاکٹر) پروفیسر محمد ایوب قادری نے دیوانِ کافی، بہارِ خلد (شمائلِ ترمذی کا اردو منظوم ترجمہ) نسیمِ جنت (چہل احادیث کا ترجمہ و تشریح، اردو مثنوی میں) خیابانِ فردوس (حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے رسالے "ترغیب اہلِ سعادت" متعلق بہ فضائلِ درودِ پاک کا اردو مثنوی میں ترجمہ) اور مثنوی تجلی دربارِ رحمت کا ذکر کیا لیکن نمونۂ کلام نہیں دیا۔ البتہ مولانا پھانسی گھر کو جاتے ہوئے جو اپنی تازہ غزل بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، اس کے چھ اشعار نقل کیے اور لکھا کہ ہمیں یہ پوری غزل مولوی غلام محی الدین صاحب نعیمی مراد آبادی کی عنایتِ خاص سے ملی ہے (۱۹)۔

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات)" میں محمد ایوب قادری نے مولانا کافی کی شاعری کے بارے میں لکھا۔ "مولانا کافی کی نعتیہ شاعری کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ شیخ مہدی علی خاں ذکی مراد آبادی سے تلمذ حاصل تھا۔ صنفِ نظم میں نعت گوئی بڑا سخت میدان ہے جہاں افراط و تفریط کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ مولانا کافی اس امتحان میں نہایت کامیاب اترے۔ مولانا کی زبان نہایت صاف، شستہ اور اندازِ بیان نہایت مؤثر ہے۔ مولانا کافی کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ مولانا کافی کے صرف دو شاگردوں کے نام معلوم ہو سکے۔ عباس مراد آبادی اور اکبر مراد آبادی (۲۰)۔

مولانا کافی کی وہ آخری غزل جو انھوں نے پھانسی کے لیے جاتے ہوئے پڑھی، -- ظاہر ہے کہ ان کی کسی کتاب میں شامل نہیں ہے۔ شفیق بریلوی نے "ارمغانِ نعت" میں ان کی یہی غزل شامل کی (۲۱)۔ اس غزل کے تین اشعار میں سرکار ﷺ کا ذکر مبارک ہے۔ مطلع یہ ہے:

کوئی گُل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا
پر رسولُ اللہ ﷺ کا دینِ حَسَن رہ جائے گا

پروفیسر سیّد یُونُس شاہ اور ڈاکٹر ریاض مجید نے ان کی کچھ نعتوں کے اشعار نمونۂ

کلام کے طور پر نقل کیے ہیں (۲۲) لیکن بدقسمتی سے نعت پر لکھی گئی کسی کتاب یا کسی انتخابِ نعت میں، میرے مرتبہ انتخابِ نعت "نعت کائنات" (۲۲۔ الف) اور "نقوش" کے رسول ﷺ نمبر کو چھوڑ کر (۲۲۔ ب) ان کی کوئی مکمل نعت آج تک شائع نہیں ہوئی جبکہ انھوں نے زندگی بھر نعتیں کہیں، اور ان کی مختلف کتابوں میں آقا حضور سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و ثنا میں ہزاروں اشعار موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ کے الطافِ کریمانہ کے باعث ہمیں یہ اعزاز نصیب ہو رہا ہے کہ کافی کی کچھ نعتیں قارئینِ کرام کے ذوقِ سلیم کی نذر کریں۔

کفایت علی کافی مراد آبادی شہید (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں عبدالغفور نسّاخ نے تذکرہ "سخُنِ شعرا" میں لکھا "کافی تخلّص، مولوی کفایت علی مراد آبادی، صاحبِ علم و فضل و زُہد و وَرع ہیں۔ بیشتر اشعار ان کے حمد و نعت میں ہوتے ہیں"۔ (۲۳) پروفیسر محمّد ایّوب قادری اور پروفیسر سیّد یُونُس شاہ نے لکھا ہے کہ نسّاخ کے علاوہ حکیم غلام قطب الدین باطنؔ اکبر آبادی نے "گلشنِ بے خزاں" میں اور عبدالحیٔ صفاؔ بدایونی نے تذکرہ "شمیمِ سخن" میں کافی کا ذکر بڑے گرانقدر الفاظ میں کیا ہے۔

خورشید مصطفیٰ رضوی نے لکھا۔ "نظم و نثر میں آپ کی بے شمار (۲۴) تصانیف ہیں جن میں نسیمِ جنت، خیابانِ فردوس اور داستانِ صادق وغیرہ مشہور ہیں (۲۵) پروفیسر محمد ایوب قادری نے بہارِ خلد، خیابانِ فردوس، نسیم جنت اور مثنوی تجلی دربارِ رحمتِ باری (۲۶) کے ذکر کے ساتھ، آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا کافی کا دیوان طبع ہو چکا ہے (۲۷) پروفیسر قادری نے تأثر دیا ہے کہ مولانا کافی نے حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسولِ کریم ﷺ کے سلسلے میں جو مثنوی لکھی ہے، وہ اور ہے لیکن یہ تأثر درست نہیں ہے۔

عشرت رحمانی نے بہارِ خلد، نسیم جنت، (انھوں نے "خیابانِ فردوس" کا نام نہیں لکھا، ذکر کیا ہے) مولودِ بہاریہ کا نام لیا ہے اور لکھا ہے کہ "چند اور مثنویاں بھی آپ کی تصانیف میں شامل ہیں" (۲۷)۔

ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتحپوری نے کافی کی تصانیف میں تجلی دربارِ نبیٔ کریم ﷺ، حلیہ شریف، مولودِ بہاریہ اور بہارِ خلد کا ذکر کیا ہے، دیوانِ کافی کا نہیں (۲۹) پروفیسر سید یونس شاہ نے نسیمِ جنت، بہارِ خلد، خیابانِ فردوس، مثنوی تجلی دربارِ نبیٔ کریم ﷺ، حلیہ شریف، مولودِ بہاریہ کا ذکر کیا ہے اور "دیوانِ کافی" سے نمونے کے اشعار نقل کیے ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ "مولانا کافی کا ایک مختصر معراج نامہ مطبوعہ مجمع العلوم لکھنؤ کا ملتا ہے۔ اس میں شیخ سعدیؒ کے ایک شعر کو تضمین کیا گیا ہے۔ یونس شاہ نے اس کا پہلا اور آخری بند بھی نقل کیا ہے(۳۰)۔

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں۔ "دیوانِ کافی سے الگ، داستانِ صادق، جذبۂ عشق، مثنوی تجلی دربارِ نبیٔ کریم ﷺ حلیہ شریف، مولودِ بہاریہ، بہارِ خلد، نسیمِ جنت، خیابانِ فردوس بھی کافی کی یادگار تصنیفات ہیں (۳۱)۔

راقم الحروف (راجا رشید محمود) کے پاس "مجموعہ خیابانِ فردوس، نسیمِ جنت، قصیدہ نعتیہ" ہے جو مطبع منشی نول کشور کانپور میں طبع ہوا۔ آخری صفحہ (۸۷) پر ماہ و سنِ طباعت اکتوبر ۱۸۸۳ درج ہے اور "نسیمِ جنت" کے آخر میں (صفحہ ۵۹ پر) اکتوبر ۱۸۹۳ تحریر ہے۔

اس مجموعے میں پہلی دو مثنویاں حضرت کفایت علی کافی شہیدؒ کی ہیں اور قصائدِ نعتیہ غلام امام شہید کے۔ "خیابانِ فردوس" مجموعے کے صفحہ ۲ سے ۱۹ تک ہے۔ یہ مثنوی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے رسالہ "ترغیبِ اہلِ سعادت" کا ترجمہ ہے جس میں درودِ پاک کے فضائل و فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ جا بجا نعتیہ غزلیں بھی شامل ہیں۔ مثنوی حمد کے سات اشعار کے بعد ۵۳۵ اشعار پر مشتمل ہے جس میں سببِ تالیف بھی بیان کیا گیا ہے'(۳۲)۔

"نسیمِ جنت" صفحہ ۲۰ سے ۵۹ تک ہے۔ اس میں چالیس احادیثِ مبارکہ، ان کا منظوم ترجمہ اور تشریح درج ہے۔ "نسیمِ جنت" بھی مثنوی ہے، جس کے ۵۲۹ اشعار ہیں۔ اس میں ۲۸ اردو نعتیں، ۴ فارسی نعتیں اور ۳ مناجاتیں، ۶ مناقب اور ایک غزل ہے۔ نیز منقبت کے ۸۶ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں۔

"بہارِ خلد" شمائلِ ترمذی کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ شمائل کے عربی متن کے ساتھ مثنوی کی صورت میں یہ ترجمہ ۳۲۰۰ سے زائد اشعار کے علاوہ ۹ اردو اور ایک فارسی نعت پر مشتمل ہے۔ بڑے سائز کے ۳۴ صفحات والا میں نے جو نسخہ دیکھا، وہ ۱۳۵۴ھ میں دوسری بار چھپا تھا (۳۳) بعد میں صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا نے مجھے پہلے نسخے کی عکسی نقل مہیا کر دی جس کے قطعۂ تاریخ سے ۱۲۵۸ھ تاریخ نکلتی ہے۔ کتاب مکتبہ نعیمیہ، چوک حسن خاں، شیش محل، مراد آباد نے شائع کی۔ "بہارِ خلد" کے پہلے دو اشعار یہ ہیں:

دکھا دے مجھ کو اے خلاقِ معبود
نبی ﷺ کے واسطے اب راہِ مقصود
بیانِ شمائل د کافی عطا کر
ثنا خوانِ جنابِ مصطفیٰ ﷺ کر

پروفیسر سید یونس شاہ اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے "دیوانِ کافی" کا ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ کہاں سے چھپا، کب چھپا، کتنے صفحات پر مشتمل ہے، اس میں کتنی نعتیں ہیں۔ البتہ ڈاکٹر ریاض مجید نے جو نسخہ دیکھا، وہ مطبع ابوالعلائی حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا (۳۴)۔

محمد منشا تابش قصوری (استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) کے پاس "دیوانِ کافی" کے جس نسخے کی قلمی نقل ہے، وہ سید حسین تاجر کتب، حیدر آباد دکن نے ابوالعلائی پریس سے محرم ۱۳۲۳ھ میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ مولانا تابش قصوری نے اپنے طالب علمی کے دور میں یہ نقل کی تھی، اس لیے اس میں بعض الفاظ غلط ہیں، بعض مصرعے وزن میں نہیں ہیں۔

مجھے معلوم ہوا کہ علامہ اختر شاہجہانپوری نے بھی "دیوانِ کافی" نقل کر رکھا ہے۔ ان کی حیات میں دو چار مرتبہ ان سے بات ہوئی لیکن مجھے وہ نقل نہ مل سکی۔ اب وہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ ان کے ذخیرۂ کتب سے عزیزِ محترم محمد کاشف بٹ نے اس نقل کی فوٹو سٹیٹ مجھے لا دی ہے۔ اس میں بعض جگہ پر پانی پڑنے سے کچھ اشعار پڑھے نہیں جاتے۔ لیکن یہ وہی نسخہ معلوم ہوتا ہے جو تابش قصوری نے نقل کر رکھا ہے۔

"دیوانِ کافی" کے جس نسخے سے راقم السطور نے استفادہ کیا ہے، اس کے سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

"بہ عونِ خالقِ کون و مکان و بتوفیقِ مالکِ زمین و زمان
بغرضِ افادۂ موبود خوانانِ اطراف و اکناف بہ سعیِ وافی
دیوانِ کافیؔ
محرّم ۱۳۲۳ھ
بہ صحتِ تمام بہ حسنِ اہتمام سید حسین تاجر کتب، گلزارِ حوض، حیدر آباد دکن
مطبع ابوالعلائی گلزارِ حوض حیدر آباد دکن میں طبع ہوا"۔

دیوان کے آخر میں یہ تحریر ہے:

"الحمدللہ کہ دیوانِ کافیؔ بتاریخ ۳ محرم ۱۳۲۳ ہجری روز جمعہ بعد نمازِ جمعہ ختم ہوا۔ اس کی رجسٹری دفترِ نظامِ سرکار میں بنام سید حسین تاجر کتب گلزار حوض، حیدر آباد دکن ہو چکی ہے"۔

میں نے ان دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر "کافیؔ کی نعت" مرتب کی ہے۔ ایک تو یوں اس کی حیثیت "حصۂ اول" کی ہے کہ اس میں دوسری نعتیہ منظومات شامل نہیں۔ پھر، نعتیہ غزلوں کے حوالے سے بھی یہ مکمل نہیں ہے کیونکہ جو نسخہ ڈاکٹر ریاض مجید کے پیشِ نظر رہا ہے، وہ بعد کا مطبوعہ ہے اور "اضافہ شدہ" ہے۔ انہوں نے کچھ ایسی نعتوں کے اِکا دُکا اشعار بھی بطورِ نمونہ اپنے مقالے میں درج کیے ہیں جو میرے سامنے نہیں ہیں۔

"دیوانِ کافی" مطبوعہ ۱۳۲۳ھ میں نعتیں بھی ہیں، حمد و مناجات بھی ہے، مناقب بھی ہیں اور یہ سب منظومات ردیفوں کی الفبائی ترتیب سے ہیں۔ میں نے "کافیؔ کی نعت" کو موضوعات کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ "کافیؔ کی نعت" میں ان نعتوں کو بھی شامل کر لیا ہے جو "خیابانِ فردوس"، "نسیم جنت" اور "بہارِ خلد" میں ہیں اور میرے پیشِ نظر نسخۂ "دیوانِ کافیؔ" میں نہیں ہیں۔ ایک نعت "مخزنِ شعرا" سے ملی ہے۔ حاشیے میں ضروری تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ "کافیؔ کی نعت" میں کافیؔ کی آخری تخلیق شعر (جس کے تین

اشعار نعتیہ ہیں) بھی شامل ہے۔

مولانا کفایت علی کافیؔ شہید (علیہ الرحمہ) کا مختصر معراج نامہ جو مجمع العلوم لکھنؤ کا شائع کردہ ہے، میرے سامنے نہیں البتہ "مجموعہ دیوانِ لطفؔ، سراپائے رسولِ اکرم ﷺ معراج نامۂ منظوم اور غزل و نعتیہ قصائد" میں یہی "معراج نامۂ منظوم" ہے جس کا عنوان ہے: مثمن متضمن بر حالِ معراجِ آنحضرت ﷺ تصنیفِ مولوی کفایت علی صاحب متخلص کافیؔ"۔ اس میں پانچ بند ہیں (۳۵) یہی پانچ بند زیرِ نظر "دیوانِ کافیؔ" میں ردیف الف، ر، م، و میں بکھرے ہوئے ملے ہیں۔ راقم نے اسے اکائی کی صورت میں پیش کیا ہے۔

بعض نعتوں کا ایک آدھ شعر ملا ہے۔ یہ مکمل نعتیں فی الحال ہمارے سامنے نہیں۔ ایسے اشعار "چند اشعارِ نعت" کے عنوان سے شامل کر دیے ہیں۔

امامِ نعت گویاں مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی، مولانا کفایت علی کافیؔ کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے، ان کو سُلطانِ نعت کہتے تھے (۳۶)۔

مہکا ہے میرے بُوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ سلطانِ نعت گویاں ہے رضاؔ
اِنْ شاءَ اللہ میں وزیرِ اعظم (۳۷)

پرواز میں جب مدحتِ شہ ﷺ میں آؤں
تا عرش پروازِ فکرِ رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسّر ہے رضاؔ
کافیؔ کا دردِ دل کہاں سے لاؤں (۳۸)

وسائل میسر ہوئے تو سلطانِ نعت گویاں مولانا کفایت علی کافیؔ مراد آبادی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے "کلیاتِ نعت" کی تدوین و اشاعت کا اہتمام بھی ہو گا۔ ان شاء اللہ!

حواشی

۱۔ "العلم" کراچی۔ اپریل ۱۹۵۷ء۔ مقالہ "کافیؔ شہید" از پروفیسر محمد ایوب قادری / ایوب قادری،

محمد۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات) مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۷۶

۲ - خورشید مصطفیٰ رضوی۔ جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون۔ مکتبۂ برہان، دہلی۔ اپریل ۱۹۵۹ / عشرت رحمانی۔ جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۹۳ / صدیق قریشی، محمد۔ جنگِ آزادی کے مسلم مشاہیر۔ مطبوعہ لاہور۔ دسمبر ۱۹۸۶۔

۳ - یونس شاہ، پروفیسر سید۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۳۷۷ (پروفیسر سید یونس شاہ نے پروفیسر ایوب قادری اور امداد صابری کے مضامین، تذکرۂ گلستانِ بے خزاں، تذکرۂ سخن شعرا اور تذکرہ شمیم سخن کے حوالے سے بات کی ہے، دیوانِ کافی کے حوالے سے اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن عنوان میں نام "عبدالکافی مراد آبادی" لکھا ہے جو غلط ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری نے بھی لکھا ہے۔ "آپ کا نام عبدالکافی اور تخلص کافی ہے"۔ اردو شاعری میں نعت: جلد اول۔ ص ۳۴۰)

۴ - ترجمانِ اہلِ سنت (ماہنامہ) کراچی۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ نمبر۔ ص ۹۶ (مضمون "مولانا سید کفایت علی کافی" از تابش قصوری)

۵ - عشرت رحمانی۔ جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۳۶

۶ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات)۔ ص ۵۶۱

۷ - جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۳۶

۸ - ایضاً۔ ص ۳۳۶، ۳۴۷

۹ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات) ص ۵۶۴

۱۰ - خورشید مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں۔ "جب نواب رام پور نے مراد آباد پر قبضہ کرنا چاہا تو آپ خان بہادر سے امداد لینے کے لیے "تولہ ہوتے ہوئے بریلی پہنچے۔ آپ ہی کی فراہم کردہ اطلاعات پر بخت خان رام پور اور مراد آباد آئے تھے۔ مولوی کفایت علی ان کے ہمراہ تھے"۔ (جنگِ آزادی ۱۸۵۷۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۳۶۴، ۳۶۵)

۱۱ - جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۴۷ (خورشید مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں کہ "مراد آباد کے انقلابی رہنما بغاوت کی خفیہ تیاریاں ایک عرصے سے کر رہے تھے۔ سرکردہ رہنماؤں میں مولوی وہاج الدین عرف مولوی منّو، مولانا کافی، مولانا سید عالم علی اور چند دیگر علما خصوصاً" پیش پیش تھے۔ (جنگِ آزادی ۱۸۵۷۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۳۰۶" پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی لکھا۔ "مولوی کفایت علی کافی نے فتویٰ جہاد کی اشاعت میں خوب کام کیا" (جنگِ آزادی ۱۸۵۷۔ واقعات و شخصیات۔ ص ۱۳۷)

۱۲ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات)۔ ص ۵۶۴، ۵۶۵

۱۳ - جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۴۷

۱۴ - ترجمانِ اہلِ سنت (ماہنامہ) کراچی۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ نمبر۔ ص ۹۸

۱۵ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات)۔ ص ۵۶۵، ۵۶۶

۱۶ - "العلم" کراچی۔ اپریل ۱۸۵۷۔ جنگِ آزادی نمبر۔ مقالہ "کافی شہید" از محمد ایوب قادری

۱۷ - امداد صابری۔ ۱۸۵۷ کے مجاہد شعرا۔ مکتبہ شاہراہ دہلی بحوالہ "تذکرۂ نعت گویانِ اردو"۔ جلد اول۔ ص ۳۸۷

۱۸ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ (واقعات و شخصیات) ص ۵۶۹

۱۹ - ایضاً۔ ص ۵۶۵

۲۰ - ایضاً۔ ص ۵۶۶

۲۱ - شفیق بریلوی (مرتب)۔ ارمغانِ نعت۔ مطبوعہ کراچی۔ طبع سوم۔ ص ۱۳۳

۲۲ - یونس شاہ، پروفیسر سید۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۳۷۷ / ریاض مجید، ڈاکٹر۔ اردو میں نعت گوئی۔ ص ۳۰۸

۲۲ الف - راجا رشید محمود (مرتب)۔ نعت کائنات۔ جنگ پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۹۳ (اصنافِ سخن کے اعتبار سے ضخیم انتخاب نعت۔ بڑے سائز کے ۸۱۶ صفحات۔ مبسوط تحقیقی مقدمہ)۔ ص ۲۷۲

۲۲ ب - نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد دہم۔ ص ۵۷۲

۲۳ - عبدالغفور نساخ۔ سخن شعرا۔ کتاب کی پہلی اشاعت ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴) کی عکسی نقل۔ مطبوعہ ۱۹۸۲۔ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ۔ ص ۳۹۵

۲۴ - بدقسمتی سے ایسے پڑھے لکھے حضرات جو تحقیق کے حوالے سے بھی معروف ہیں، الفاظ کے استعمال میں احتیاط نہیں برتتے۔ خورشید مصطفیٰ رضوی کا مولانا کافی کی تصانیف کو "بے شمار" گردانا ایسی ہی بے احتیاطی ہے۔

۲۵ - خورشید مصطفیٰ رضوی۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷۔ مطبوعہ دہلی۔ رمضان ۱۳۷۸ھ / اپریل ۱۹۵۹۔ ص

۲۶ - پروفیسر محمد ایوب قادری نے مثنوی کا نام "تجلی دربار" لکھا ہے جو نامکمل ہے۔ عشرت رحمانی نے نام لکھا ہے۔ "تجلی دربارِ رحمتِ باری"۔ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور۔ عشرت رحمانی نے اس کے بارے میں لکھا۔ "جب زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو ایک مثنوی اپنے کوائف سفر کے بارے میں لکھی" (جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۴۹)۔ پروفیسر یونس شاہ نے نام "تجلی دربارِ نبیؐ کریم ﷺ" لکھا ہے (تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۳۸۰) ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی یہی نام لکھا ہے (اردو میں نعت گوئی۔ ص ۳۰۸) ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتحپوری نے ایک جگہ "تجلی دربارِ نبیؐ کریم ﷺ" لکھا ہے۔ دوسری جگہ "تجلی دریا رحمت" (اردو شاعری میں نعت۔ جلد اول۔ ابتدا سے محسنؔ تک)۔ ص ۳۳۱

۲۷ - جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) ص ۵۷۳، ۵۷۶

۲۸ - جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین۔ ص ۳۴۹

۲۹ - اردو شاعری میں نعت۔ جلد اول۔ ص ۳۳۱

۳۰ - تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ جلد اول۔ ص ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۸۶

۳۱ - اردو میں نعت گوئی۔ ص ۳۰۸۔ بحوالہ ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور۔ مسلم فن و ثقافت نمبر۔ ص ۳۲

۳۲ - راجا رشید محمودؔ (مرتب و مقدمہ نگار)۔ نعت کائنات۔ جنگ پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۹۳ (اصنافِ سخن کے اعتبار سے ۸۲۹ صفحات کا ضخیم انتخابِ نعت، مبسوط تحقیقی مقدمے کے ساتھ)۔ ص ۷۶ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ جولائی ۱۹۹۰ء "اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو" حصہ چہارم۔ ص ۲۹

۳۳ - "نعت"۔ ایضاً"۔ ص ۱۸

۳۴ - اردو میں نعت گوئی۔ ص ۳۴۸

۳۵ - مجموعہ "دیوانِ لطفؔ، سراپائے رسولِ اکرم ﷺ معراجنامۂ منظوم اور غزل و نعتیہ قصائد" مطبع مجتبائی، لکھنؤ۔ رجب ۱۳۱۲ھ

۳۶ - غلام رسول مہر۔ ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۷۱ء۔ ص ۳۱

۳۷ - احمد رضا خاں بریلوی، اعلیٰ حضرت۔ حدائقِ بخشش۔ حصہ سوم۔ ص ۹۳

۳۸ - ایضاً"۔ ص ۹۳

امیرؔ مینائی اور اُن کی نعت گوئی

منشی امیر احمد امیرؔ مینائی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ رام بابو سکسینہ (۱)، علامہ نیاز فتحپوری (۲)، سید جلال الدین جعفری (۳) اور ڈاکٹر محمد اسلام (۴) نے ان کا سنِ ولادت ۱۸۲۸ء / ۱۲۴۴ھ لکھا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری (۵) نے ۱۸۲۹ لکھا ہے، اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی نے "مختصر تاریخ ادبِ اردو" (۶) میں ۱۸۲۸ اور "تذکرہ شعرائے اردو" (۷) میں ۱۸۲۹ لکھا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے (۸) میں امیرؔ کی تاریخ پیدائش ۲۱ شعبان ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء لکھی ہے اور پروفیسر سید یونس شاہ (۹) نے یہی تاریخ دہرائی ہے۔ ان مختلف سنین سے، بہرحال یہ طے ہو جاتا ہے کہ ان کی ولادت اگست سے دسمبر کے مہینوں میں ہوئی۔ (۱۰)

امیرؔ مینائی کے والد کا نام کرم احمد یا کرم محمد (۱۱) تھا۔ حضرت مخدوم شاہ میناؒ کے خاندان سے تھے، اسی تعلق سے مینائی کہلائے۔ چشتیہ صابریہ سلسلے کے بزرگ حضرت امیر شاہؒ سے بیعت تھے۔ درسی کتابیں مفتی سعد اللہ اور ان کے ہم عصر علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ نہایت متقی صوفی تھے۔ طب، جفر، نجوم وغیرہ علوم سے بھی واقف تھے۔

شعر و سخن کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس فن میں آپ کو مظفر علی خاں اسیرؔ کا سا استاد مل گیا جو بقول ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، لکھنؤ کی نسائیت کے رنگ سے دور تھا اور رکاکت اور ابتذال سے بلند، (۱۲) رام بابو سکسینہ کہتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی اور طبیعت کی روانی سے، اپنے استاد سے بھی بڑھ گئے" (۱۳)۔ ۱۸۵۲ء میں ان کے کلام کا تذکرہ اودھ کے نواب واجد علی شاہ کے دربار میں ہوا اور

انھیں وہاں ملازمت حاصل ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی اور واجد علی شاہ کی معزولی نے امیرؔ مینائی کو بھی لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ کاکوری چلے گئے۔ یہاں ان کے قیام نے انھیں نعت گوئی پر ابھارا۔ پھر انھیں رام پور کے نواب یُوسُف علی خاں کی ملازمت کا موقع مل گیا۔ ۱۸۶۴ء (۱۲۸۱ھ) میں نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں کا دور شروع ہوا۔ اس نے امیرؔ مینائی کو ملک الشعرا کا خطاب دیا اور وہ ان سے مشورۂ سخن بھی کرتا تھا۔ ۱۸۸۴ء میں امیرؔ رام پور سے لکھنؤ آ گئے لیکن ایک سال بعد انھیں پھر رام پور بلا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں نواب کلب علی خاں فوت ہو گئے، ریاست کے مدار المہام نے امیرؔ کی تنخواہ میں تخفیف کر دی، اور وہ دل برداشتہ ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں میر محبوب علی خاں نظام حیدر آباد دکن کی خواہش پر انھوں نے حیدر آباد کا رخ کیا لیکن وہاں کوئی خدمت انجام دینے سے پہلے ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ (۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء) کو واصل بحق ہو گئے (۱۴)۔ ان کا مزار درگاہ "یُوسُف شاہ" کے احاطے میں ہے۔ مزار پر یہ شعر کندہ ہے:

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے (۱۵)

مرزا داغؔ نے تاریخ کہی:

ہے دعا بھی داغؔ کی تاریخ بھی
قصرِ عالی پائے جنت میں امیرؔ (۱۶)

۱۳۱۸ھ

ان کے ایک نامور شاگرد جلیل مانک پوری نے یہ تاریخ کہی:

"امیرِ کشورِ معنی امیرؔ مینائی" (۱۶-الف)

امیر مینائی کی تصانیف کی تعداد بہت ہے۔ نظم و نثر میں مختلف موضوعات پر انھوں نے

کتابیں لکھیں۔ فہرست یہ ہے:

○(1) ارشاد السلطان
○(2) ہدایت السلطان (۱۷)
(3) غیرتِ بہارستان (۱۸) (امیرؔ کا ابتدائی کلام۔ اس میں وہ غزلیں ہیں جو جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل مشاعروں میں پڑھی گئیں۔ یہ کلام ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہو گیا)
(4) نورِ تجلی۔ ابرِ کرم (دو مثنویاں جو جنگِ آزادی سے پہلے لکھنؤ میں لکھیں)
(5) مجموعہ واسوخت (۱۹) (بانگِ اضطرار، واسوخت اردو، شکایتِ رنجش، صفیرِ آتش باز، حسرِ اخیار، غبارِ طبع) ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
(6) مرآۃ الغیب۔ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء (اردو غزلیات اور قصائد کا پہلا مطبوعہ دیوان) (۲۰)۔
(7) صنم خانۂ عشق (۲۱) ۱۳۱۳ / نظیر لودھیانوی نے لکھا ہے کہ امیرؔ کا جتنا کلام امیرؔ لکھنوی کے رنگ میں ہے، وہ اس دیوان میں ہے، اسی کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

عجیب شے ہے صنم خانۂ امیرؔ اقبالؔ
میں بت پرست ہوں، رکھ دی وہیں جبیں میں نے

(تذکرہ شعرائے اردو۔ ص ۱۹۸)

(8) انتخابِ یادگار۔ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء (رام پور کے شعرائے اردو کا تذکرہ)
(9) خیابانِ آفرینش۔ (۲۲) ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء (نثر میں مولود شریف)
(10) جوہرِ انتخاب (۲۳)، ۱۳۰۱ھ (میر تقی میرؔ اور میر دردؔ کے رنگ میں غزلیں)
(11) گوہرِ انتخاب (۲۴)، ۱۳۰۱ھ (میر تقی میرؔ اور میر دردؔ کے رنگ میں غزلیں)

(12) سرمۂ بصیرت (عربی، فارسی کے جو الفاظ اردو میں غلط استعمال ہونے لگے ہیں، ان کی وضاحت)

(13) بہارِ ہند (اردو محاورات اور مصطلحات کا مجموعہ) (۲۵)

(14) امیر اللغات۔ جلد اول و دوم (الف ممدودہ اور الف مقصورہ)

(15) نماز کے اسرار (۲۶)

(16) محامدِ خاتم النبیین ﷺ (نعتیہ دیوان) ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء (۲۷)

"پہلی مرتبہ منشی نول کشور نے ۱۲۸۹ھ میں چھاپا۔ یہ دیوان اس قدر مقبول ہوا کہ کئی مرتبہ اور چھاپنے کی نوبت آئی"۔ (۲۸) مرتب (راجا رشید محمود) نے مطبع منشی نول کشور کانپور سے اکتوبر ۱۸۷۸ مطابق شوال المکرم ۱۲۹۵ھ کا چھپا ہوا، ۱۳۲ صفحات کا نسخہ بھی دیکھا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کہتے ہیں کہ امیؔر مینائی نے مطبع نول کشور کے نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کے لیے اپنے چند تلامذہ کو مامور کیا اور ۱۳۰۶ھ میں مطبع مفید عام، آگرہ سے اہتمام سے چھپا کر شائع کیا (۲۹) راقم الحروف نے یہ نسخہ بھی (صفحات ۱۶۲) دیکھا ہے جس کے سرورق پر لکھا ہے "مطبع خاص احمد خاں صوفی میں بہ طبع مزین مطبوع ہوا"۔ لیکن محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ذخیرۂ کتب میں ایک ایسا نسخہ بھی ملا جو مطبع سیدی، حیدر آباد دکن میں ۱۳۰۵ھ میں نہایت دیدہ زیب چھپا ہے۔ اس کے صفحات ۲۲۲ ہیں۔ اس سے پہلے "خیابانِ آفرینش" کے نام سے میلادِ سرکار ﷺ ہے جو ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ میری نظر سے ایک اور نسخہ بھی گزرا ہے جو مطبع فیض قسم میں بماہ رجب ۱۳۰۶ھ شائع ہوا (صفحات ۱۶۲) (۳۰)

(17) ذکرِ شاہِ انبیا ﷺ (مولود شریف بصورت مسدس)

(18) صبحِ ازل (حضور ﷺ کی ولادت کے بیان میں نعتیہ مسدس) (میرے

پاس جو نسخہ ہے، وہ امیر المطابع حیدر آباد دکن میں ۱۳۳۲ھ میں چھپا۔ ۶۶ بند۔ ۱۴ صفحات)

(19) شامِ ابد (آقا حضور ﷺ کی وفات کے بیان میں مسدس) (میرے پاس امیر المطابع حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ کا چھپا ہوا، ۱۴ صفحات کا نسخہ ہے۔ ۴۳ بند ہیں)

(20) لیلۃ القدر (معراج النبی ﷺ کے ذکر میں مسدس) (امیر المطابع حیدر آباد دکن کا ۱۳۳۲ھ ہی کا شائع شدہ نسخہ میرے پاس ہے جس میں صفحہ ۲۲ تک ۱۰۸ بند ہیں۔ آخری دو صفحات پر حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں مناجات ہے)

(21) غیر مطبوعہ دیوان (سکسینہ کے بقول اس میں چند قصائد اور رباعیات شامل ہیں۔ (۳۱)

(22) سکسینہ نے لکھا ہے کہ رسالہ "اسرارِ نظم" "زاد الامیر" اور مناجات وغیرہ کو ان کی متفرق تصانیف میں سمجھنا چاہیے (۳۲)۔

امیر مینائیؔ کا نعتیہ کلام (۳۳) زبان زدِ خاص و عام رہا۔ لوگ اسے مولود شریف کے علاوہ دیگر مذہبی محافل میں ایک عرصے تک پڑھتے رہے۔ اب بھی مطلع

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے، یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

والی نعت قومی ذرائع ابلاغ سے آئے دن سننے میں آتی ہے۔

امیؔر کی نعت کے بارے میں رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں۔ "ان کے نعتیہ اشعار گو کہ قدیم مقررہ طرز میں ہیں مگر اکثر اعلیٰ تخیل، فصاحت و بلاغت اور جوشِ اعتقاد کے بہترین نمونے ہیں"۔ (۳۴)

پروفیسر سید یونس شاہ کہتے ہیں۔ "امیر کے ہاں لکھنؤ کی نسبت سے زبان میں گھلاوٹ، کلام میں رنگینی اور مرصع کاری کے جوہر پائے جاتے ہیں۔ حسن ظاہر کے

اوصاف کے بیان میں ان کا قلم خوبصورت پیکر تراشی کرتا ہے۔ لیکن جہاں جذبات کو گہرائی سے بیان کرتے ہیں، وہاں اثر آفرینی اور تاثیر کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے (۳۵)۔ سید جلال الدین احمد جعفری کہتے ہیں۔ "امیر مینائی اساتذۂ نامور کی صف اولین میں صدارت کا مرتبہ رکھتے تھے" (۳۶)۔ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی لکھتے ہیں۔ "اردو شعرا میں سے دو بڑے شاعروں کے نام نعت گوئی میں فخر کے ساتھ پیش کیے جا سکتے ہیں، ایک امیر مینائی، دوسرے محسن کاکوروی (۳۷)۔ پروفیسر حفیظ تائب اردو نعت کے ایک اجمالی جائزے میں لکھتے ہیں۔ "متاخرین کے دور میں نعتیہ شاعری کو امیر مینائی اور پھر محسن کاکوروی نے اعلیٰ ترین معیار سے ہمکنار کیا (۳۸)۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید "مخزنِ نعت" کے مقدمے میں نعت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے امیر مینائی کے بارے میں کہتے ہیں"۔ وہ محسن سے متاثر ہیں۔ انہوں نے بھی نعت کو بطورِ مقصد اپنایا اور ایک ایسا نعتیہ سرمایہ چھوڑ گئے جو اپنے اندر عقیدت کا جوش، تاریخ کی واقعیت اور سیرت کا تذکرہ لیے ہوئے ہے (۳۹)۔

ڈاکٹر انور سدید اپنے مضمون "اردو نعت نگاری، ایک جائزہ" میں امیر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "امیر کی نعت میں بلا کی حلاوت اور نرمی ہے اور انہوں نے غیر معتبر روایات کو نعت میں شامل کرنے سے اجتناب برتا ہے (۴۰)۔ پروفیسر محمد اکرم رضا اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔ محسن کاکوروی، احمد رضا بریلوی، امیر مینائی اور اقبال سہیل جیسے شعرا کی نعتیہ شاعری نعت کو عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے آشنا کرنے کا باعث ہوئی (۴۱)۔

پروفیسر عارف عبدالمتین بھی لکھتے ہیں۔ "یوں تو اردو کے بیشتر کلاسیکی شعرا نے نعت گوئی کی سعادت حاصل کی مگر اس ضمن میں جنھیں قبول و نفوذ نصیب ہوا، ان میں محسن کاکوروی اور امیر مینائی کے اسمائے گرامی نسبتاً" زیادہ اہم ہیں (۴۲)۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری امیر مینائی کی نعتوں کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں۔ "نعتیہ غزلوں میں امیر نے آنحضرت ﷺ کے اوصاف و کمالات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے، معجزات کو توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ غزوات اور دوسرے کارناموں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بعض دوسری روایات و واقعات زندگی کا بھی تذکرہ کیا ہے اور کہیں کہیں آنحضرت ﷺ سے جوشِ عقیدت و فرطِ محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔ عقیدت و محبت کا یہی اظہار جہاں جہاں بھرپور ہو گیا ہے، ان کی نعتیہ غزلوں میں دلکشی و تاثیر پیدا ہو گئی ہے (۴۳)۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا۔ "امیر مینائی کا نعت سے شغف کسی رسم یا تقلید کا نتیجہ نہ تھا۔ انہوں نے نعت گوئی کی طرف بطورِ خاص توجہ دی اور اسے ایک اہم شعری صنف کے درجے اور معیار پر پہنچانے کی مخلصانہ کوشش کی...... فنی نزاکتوں کے علاوہ نعت کے فکری پہلوؤں کے سلسلے میں بھی امیر مینائی کی مساعی قابل ذکر ہیں..... امیر مینائی کی نعت گوئی کا کمال یہ بھی ہے کہ وہ عقیدت کی فراوانی کے باوجود نعت گوئی میں محتاط ہیں اور انہوں نے مدحِ رسول ﷺ میں آدابِ شریعت کو ملحوظ رکھا کہ فنِ نعت میں یہ مشکل مرحلہ ہے...، عقیدت و محبت کی شیفتگی اور جاں نثاری اور جاں سپاری کا جذبہ ان نعتوں کی جان ہے"۔ (۴۴)

سید افضل حسین نقوی فضل فتحپوری کہتے ہیں۔ "آپ (امیر مینائی) کی نعتوں کا حسن، درونی جذبہ، زمین غزل میں جذب و عقیدت میں گوندھا ہوا شیفتگی اور وارفتگی کا خمیر، اور ان سب پر مستزاد محبت و مودّت کی وہ میٹھی آنچ ہے جس میں تپ کر آپ ﷺ کی نعت کا ہر شعر کندن بن کر نکلتا ہے۔ چونکہ یہ نعت دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتی ہے، اس لیے سامع اور قاری کے دل میں بے محابا اسی شدت سے اثر کرتی ہے جس جذباتی شدت کے زیرِ اثر اس کی تصنیف ہوتی ہے اور سرکار

نبوی ﷺ میں بلاشبہ قبولیت کی سند پاتی ہے"۔ (۴۵)

بعض لکھنے والوں نے امیرؔ مینائی کے اسلوب نعت پر تنقید بھی کی ہے مثلاً مولوی عبدالحئی نے "گلِ رعنا" میں لکھا ہے کہ "باوجود صحتِ زبان اور پختگیِ کلام کے، تاثیر یا سوز و گداز کا کہیں پتا نہیں" (۴۶)۔ مولوی عبدالحئی کی اس رائے کا ذکر کر کے پروفیسر سید یونس شاہ نے لکھا ہے۔ "صحتِ زبان اور پختگی کلام کے باوجود اثر کا پیدا نہ ہونا کچھ عجیب سی چیز ہے....... نعت کا موضوع اپنی عظمت کا اعتبار سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اگر اسے ایسی زبان مل جائے جو نقاشی پر فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہو تو اثر و تاثیر اور سوز و گداز کا پیدا ہونا لازمی ہے (۴۷)۔

ممتاز حسن نے انتخابِ نعت "خیر البشر ﷺ کے حضور میں" کے مقدمے میں قریباً" سب نعت گوؤں کے کلام کو نعت کے معیار سے کمتر قرار دے دیا ہے۔ ان کے نزدیک "اردو میں کوئی نعت حالیؔ کے مسدس کے برابر موجود نہیں ہے (۴۸)۔ یہ سوچ کا بنیادی فرق ہے کہ کوئی آدمی حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کو نعت سمجھتا ہے اور کوئی شخص "مسدس مدّ و جزرِ اسلام" کو نعت اور معیاری نعت کہتا ہے۔

کلامِ خالق و مالک میں جو حضور ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا گیا ہے، ان کی بات کو اللہ کا فرمان کہا گیا ہے، مومنوں میں سے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھنے والوں کو دربارِ رسول ﷺ میں حاضر ہو کر مغفرت چاہنے اور رسول ﷺ کی سفارش کروانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کے بندوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مژدہ سنایا گیا ہے۔۔۔۔۔ اس قسم کے سیکڑوں اہم ارشاداتِ خداوندی سے نظریں چُرانا شاید ممتاز حسن کے نزدیک نعت کا معیار ہے۔ انھوں نے امیرؔ مینائی کا ذکر یوں کیا ہے۔ "امیرؔ مینائی نے جو غزل کے شاعر تھے اور اس حیثیت سے

مشہور ہیں (۴۹) معراج پر جو کچھ کہا ہے، اس میں زیادہ تر الفاظ پر زور ہے۔ مگر میں ایسی نعتوں کی مثالیں زیادہ دینا نہیں چاہتا جو میرے خیال کے مطابق نعت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں" (۵۰)۔

تحسین فراقی نے بھی حالی سے پہلے کے ادب پر یوں خامہ فرسائی کی ہے۔

"حالیؔ سے پہلے اردو میں خاصا نعتیہ ادب تخلیق ہوا، جس کا معتدبہ حصہ فنی محاسن اور صنائع لفظی کا ایک خزینہ ہے لیکن یہ زیادہ تر حضور ﷺ سے عقیدت کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔ حضور ﷺ سے والہانہ عشق کا نتیجہ کم (والہانہ عشق" ہو تو عقیدت کے بغیر صرف سیرت بیان کی جائے؟ محمود) شادؔ عظیم آبادی، امیرؔ مینائی، شہیدی، محسنؔ کاکوروی اور بیدمؔ وارثی جیسے جید نعت گو شعرا کی بیشتر نعت گوئی، سراپا نگاری اور حضور ﷺ کے جسمانی محاسن کے بیان ہی پر صَرف ہوئی (۵۱) خدا کا شکر ہے کہ تحسین فراقی نے حالیؔ سے پہلے کے شاعروں کو نعت گو ہی کہا ہے، اس صف ہی سے نہیں نکال دیا۔ اگر خداوندِ کریم جل و علا محبوب ﷺ کے ہاتھوں کی تعریف کرتا ہے، ان گلیوں کی قسم کھاتا ہے جن میں سرکار ﷺ چلتے تھے، حضور ﷺ کی جان کی قسم کھاتا ہے، ان کے لباس کا ذکر کرتا ہے تو نعت میں یہ تذکار سنتِ خداوندی کیوں نہ ٹھہرے۔ امیر مینائی کی کچھ نعتوں کے منتخب اشعار قارئینِ نعت ملاحظہ کریں گے اور وہ نقادانِ فن کی آرا بھی دیکھ چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ان کے کلام میں سیرت کے مضامین سرے سے نہ ہوں لیکن معترضین کا اصل مسئلہ یہ نہیں، وہ ہے جس کا ذکر محمد حسن عسکری نے کیا ہے۔ "ستارہ یا بادبان" میں محسنؔ کاکوروی پر اپنے مضمون میں وہ کہتے ہیں "یوں تو حالیؔ کے زمانے سے بہت پہلے "تقویت الایمان" شائع ہو چکی تھی، اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول ﷺ کی عزت صرف اتنی کرنی چاہیے جتنی بڑے بھائی کی۔ یعنی رسول

ﷺ کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے پیدا ہو چکے تھے اور حالیؔ کے زمانے میں "بنانا نہ تربت کو میری صنم تم" کچھ ایسا باغیانہ تصور نہ رہا تھا۔ لیکن اب سرسید کے زیرِ اثر اور پیرویٔ مغرب کے شوق میں لارڈ مکالے کے عقیدت مند ابھرنے لگے تھے جو کہتے تھے کہ اسلام افضل ترین مذہب ہے۔ کیونکہ یہ مذہب ہے ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا سادا راستہ ہے اور آنحضرت ﷺ محض پیغمبر نہیں بلکہ "مصلح" اور "ریفارمر" ہیں۔ اس مشرب میں واقعی رواداری تھی۔ ان حسابوں سرسید تو بڑی چیز ہیں، فلورنس نائٹ انگیل تک کو پیغمبری کا درجہ حاصل ہو سکتا تھا۔ مگر سو پچاس سال پہلے تک عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقتِ محمدی ﷺ احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتی، اور رسول ﷺ کی بنیادی صفت یہی ہے ــــــ ''خطاکار سے درگزر کرنے والا'' نہیں۔ کیونکہ اتنا کام تو خود مولانا حالیؔ بھی کر لیتے ہوں گے"۔ (۵۲)

اللہ کریم ہمیں قرآن و احادیث کی روشنی میں مقامِ مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) سمجھنے اور بیان کرنے کی توفیق بخشے اور اس سوچ سے بچائے کہ کس طرح سرکار ﷺ کی تعریف میں کمی یا تنقیص کی جا سکتی ہے۔

حواشی

○ ۱۔ تاریخِ ادبِ اردو (مترجم مرزا محمد عسکری) گلوب پبلشرز، لاہور۔ س ن، ص ۳۲۹

○ ۲۔ انتقادیات۔ ادارہ ادب العالیہ، کراچی۔ ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۷۵

○ ۳۔ تاریخِ قصائدِ اردو۔ اردو مرکز، لاہور۔ طبع سوم۔ ۱۹۵۱ء، ص ۴۳

○ ۴۔ اردو غزل کی مختصر تاریخ۔ مصنف، کراچی۔ ستمبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۲

○ ۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ آئینۂ ادب، لاہور۔ اشاعتِ اول۔ ۱۹۷۴ء، ص ۶۸

○ ۶۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور۔ بار اول۔ ۱۹۵۳۔ ص ۲۳۳

○ ۷۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور۔ بار اول۔ اپریل ۱۹۵۳۔ ص ۱۹۸

○ ۸۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔ اکتوبر ۱۹۷۶۔ ص ۲۸۳

○ ۹۔ تذکرہ نعت گویانِ اردو، حصہ دوم۔ مکہ بکس، لاہور۔ بار اول۔ نومبر ۱۹۸۳۔ ص ۶۵

○ ۱۰۔ ضیاء الدین لاہوری۔ جوہرِ تقویم۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۹۳، ص ۲۰۱

○ ۱۱۔ رام بابو سکسینہ، جلال الدین احمد جعفری اور نظیر لودھیانوی نے "کرم محمد" لکھا ہے اور ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق اور سید یونس شاہ نے "کرم احمد"۔

○ ۱۲۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۳

○ ۱۳۔ تاریخِ ادبِ اردو۔ ص ۳۶۷

○ ۱۴۔ سکسینہ اور ڈاکٹر محمد اسلام نے صرف سنِ وفات دیا ہے، ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء۔ (تاریخ ادب اردو۔ ص ۳۲۹، ۳۲۹۔ اور غزل کی مختصر تاریخ۔ ص ۱۳۳) سید جلال الدین احمد جعفری نے مہینہ بھی لکھا ہے۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ (تاریخِ قصائدِ اردو۔ ص ۴۳)، ۲ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی نشاندہی ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے کی ہے (اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۸) پروفیسر سید یونس شاہ نے امیرؔ کی تاریخِ وفات ۱۹ جمادی الاول ۱۳۱۸ھ لکھی ہے لیکن اس کے لئے کوئی دلیل نہیں دی (تذکرہ نعت گویانِ اردو، حصہ دوم۔ ص ۶۷۔ اگر یہ صحیح ہو تو ۱۴ ستمبر ۱۹۰۰ء بنتی ہے (جوہرِ تقویم۔ ص ۲۱۳) نظیر لودھیانوی نے "مختصر تاریخِ ادبِ اردو" (ص ۲۳۲) میں ۱۹۰۰ء لیکن "تذکرہ شعرائے اردو" (ص ۱۹۸) میں ۱۹۰۳ لکھی ہے۔ نظیر لودھیانوی کی مختصر تاریخِ ادبِ اردو (ص ۲۳۲) اور ان کے ایک مضمون "تذکرہ عندلیبانِ ریاضِ رسول ﷺ" "شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر ۱، ص ۳۳) تاریخِ وفات غلطی سے ۱۳۱۸ھ

لکھی ہے۔ (۱۵) اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۹۸

○ ۱۶۔ مختصر تاریخ ادب اردو۔ ص ۳۳۲

○ ۱۶(الف)۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۶۷

○ ۱۷۔ یہ دونوں کتابیں انہوں نے واجد علی شاہ کو پیش کیں۔ یہ کتابیں نہیں ملتیں۔

○ ۱۸۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اس کتاب کا نام "بہارستان" لکھا ہے۔ (اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۴)

○ ۱۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اس کا نام "شعلۂ جوالہ" لکھا ہے (اردو میں نعتیہ شاعری ص ۲۸۸)

○ ۲۰۔ ان غزلوں میں جگہ جگہ نعت کے مضامین ملتے ہیں مثلاً

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیرؔ
سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ ﷺ کا

روضہ رسول ﷺ کا ہے اگر بارگاہِ حق
میں بھی امیرؔ خاک درِ بارگاہ ہوں

(مرآۃ الغیب۔ ص ۷۹، ۱۸۷۷ء)

○ ۲۱۔ "صنم خانۂ عشق" بھی نعتیہ اشعار سے خالی نہیں۔ مثلاً

سکہ رائج جب سے دینِ مصطفیٰ ﷺ کا ہو گیا
غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا

صد شکر منہ سے نام محمد ﷺ نکل گیا
بات اپنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی

(اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۹)

○ ۲۲۔ یہ "محامد خاتم النبیین ﷺ" (مجموعہ نعت) کے ساتھ بھی چھپا۔" کلی

رعنا کے مولف عبدالحیٔ نے لکھا ہے "یہ رسالہ اس قابل ہے کہ عورتوں اور بچوں کے نصاب میں داخل کیا جائے"۔ (ص ۳۰۸)

○ ۲۳۔ ڈاکٹر اشفاق نے اس کا نام "جواہرِ انتخاب" لکھا ہے (اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۹)

○ ۲۴۔ سکینہ نے لکھا ہے کہ جوہرِ انتخاب اور گوہرِ انتخاب میر تقی میرؔ اور خواجہ میر دردؔ کے رنگ میں کچھ غزلیں ہیں (تاریخ ادبِ اردو ص ۴۷۱، ڈاکٹر اشفاق نے اسے "منتخب اشعار کا مجموعہ لکھا ہے (اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۹)

○ ۲۵۔ اسے سکینہ نے "امیر اللغات" کا نقشِ اول قرار دیا (تاریخ ادبِ اردو۔ ص ۴۷۲)

○ ۲۶۔ سکینہ نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔

○ ۲۷۔ ڈاکٹر انور سدید نے لکھا ہے کہ یہ ۱۸۸۱ء میں چھپا، جو درست نہیں (شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر ۵، ص ۳۱۹)

○ ۲۸۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۹

○ ۲۹۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۸۹

○ ۳۰۔ ڈاکٹر انور سدید نے میر ضامن علی جلالؔ کا مصرعِ تاریخ "دیواں ہے نعتِ احمد ﷺ والا صفات کا" لکھا ہے۔ لیکن تاریخ ۱۲۸۹ھ کے بجائے ۱۲۹۸ھ لکھ دی ہے (شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر ۵ ص ۳۱۹)

○ ۳۱۔ تاریخ ادب اردو۔ ص ۴۷۱

○ ۳۲۔ ایضاً"۔ ص ۴۷۳

○ ۳۳۔ "محامد خاتم النبیین ﷺ" میں ایک حمد، ۶ مناجات، ۱۸۷ نعتیں، ۱۹ نعتیہ رباعیات، ۵ ترجیع بند، مخمس، ایک سلام، شعرِ سعدیؔ کی ایک تضمین، ایک

تضمین بر کلامِ ہندی اور ۳ مناقب ہیں۔ زیرِ نظر انتخاب میں اس کتاب سے صرف اسّی نعتیں لی گئی ہیں۔

○ ۳۴۔ تاریخِ ادبِ اردو۔ ص ۴۷۳

○ ۳۵۔ تذکرہ نعت گویانِ اردو، حصہ دوم، ص ۶۸

○ ۳۶۔ تاریخِ قصائدِ اردو۔ ص ۱۳

○ ۳۷۔ شفیق بریلوی (مرتب) ارمغانِ نعت۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی طبع سوم۔ اگست ۱۹۷۹ء، ص ۲۷ (مقدمہ بعنوان "ورفعنا لک ذکرک")

○ ۳۸۔ حافظ لدھیانوی۔ نشیدِ حضوری۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ بار اول۔ صفر المظفر۔ ۱۴۰۰ھ، ص ۲۷

○ ۳۹۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد (مرتب) مخزنِ نعت۔ علمی کتاب خانہ، لاہور۔ مارچ ۱۹۷۹۔ ص ۱۴ / مہک (ادبی مجلّہ) گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ۔ نذرانۂ عقیدت بحضورِ سرورِ کونین ﷺ۔ ص ۲۲۵

○ ۴۰۔ شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر ۵۔ ص ۴۱۹

○ ۴۱۔ شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر ۴۔ ص ۲۲۰

○ ۴۲۔ اقرا (ادبی مجلّہ) گورنمنٹ ایم اے او کالج لاہور۔ سیرت نمبر۔ ص ۱۴۔ (مضمون "جدید اردو نعت از عارف عبدالمتین)

○ ۴۳۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ص ۷۰

○ ۴۴۔ ریاض مجید، ڈاکٹر۔ اردو نعت گوئی۔ اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور۔ ۱۹۹۰ ص ۳۴۸، ۳۵۷، ۳۵۸

○ ۴۵۔ فضل فتحپوری، اردو نعت: تاریخ و ارتقا۔ کراچی۔ ۱۹۸۹۔ ص ۵۰

○ ۴۶۔ عبدالحیؒ۔ گلِ رعنا۔ ص ۳۰۷

○ ۴۷۔ تذکرہ نعت گویانِ اردو۔ حصہ دوم۔ ص ۶۸، ۶۹

○ ۴۸۔ ممتاز حسن (مرتب) خیر البشر ﷺ کے حضور میں۔ ادارہ فروغِ اردو۔ لاہور، بار اول۔ جنوری ۱۹۷۵، ص ۲۲

○ ۴۹۔ جس شخص کے نزدیک امیر مینائی نعت کے مشہور شاعر نہیں، اس کی سخن فہمی کے قربان جائیے۔

○ ۵۰۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں۔ ص ۲۲

○ ۵۱۔ شام و سحر لاہور۔ نعت نمبر (نقشِ ثانی) ص ۱۰۶ (مضمون جدید اردو نعت گوئی، ایک جائزہ)

○ ۵۲۔ حسن عسکری، محمد۔ ستارہ یا بادبان۔ مکتبہ سات رنگ، کراچی۔ طبع اول۔ ۱۹۶۳، ص ۳۰۳، ۳۰۶

نعتِ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے شعری محاسن

دین اسلام کی تمام تر اساس محبت اور اخلاص و مودت پر قائم ہے۔ دین نے ہمیں انسان سے خلوص و محبت کا درس دیا ہے، جانوروں کے ساتھ شفقت سکھائی ہے، خدا کے ساتھ تعلق اور اس کے لوازم کو نبھانے کی ترغیب دی ہے۔۔۔۔ اور، یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلام محبت کا دین ہے۔ جس دین میں جان کے دُشمن کا بھی بھلا کرنے کی تلقین کی جائے، جس میں دین کے اعدا کو معاف کردینے کی عادت ڈالی جائے، جس میں ظلم اور زیادتی کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا جاسکتا ہو، اور استبداد کی چکّی میں پسنے والوں کو اس مصیبت سے رہائی دلانے سے بہتر کوئی اور کام نہ ہو،۔۔۔ سب سے زیادہ زور انسانیت سے محبت اور انسانوں سے رواداری اور حسنِ سلوک پر ہو، وہ دینِ اسلام محبت ہی کی اساس پر قائم ہوا نا!

اور،۔۔۔ دین کے سربراہ مومنوں کے لیے رؤف و رحیم ہیں تو عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ ان کی سیرتِ طیّبہ میں محبّت ہی کی عملداری نظر آتی ہے۔ انہوں نے محبت کی ہدایت کی، محبت ہی سے دل جیتے، محبت ہی کی بنیاد پر ایک نئی اور مضبوط مملکت کی بنیاد رکھی اور محبت ہی سے سب کام لیے۔ اگر دین کی اساس محبت ہے تو دین کے اپنی اساس پر قائم رہنے ہی سے اس کی برکات و فیوض سے متمتع ہوا جاسکتا ہے۔ جو عمارت اپنی بنیاد سے ڈھے جائے، وہ ڈھے جاتی ہے۔ اس لیے میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ دین کے نام لیوا افراد اور جماعتوں کی جانچ پڑتال ہونی چاہیے کہ کون لوگ اس کی بُنیاد پر قائم ہیں اور کون اس سے

منحرف نظر کر رہے ہیں یا اس سے دُور ہوتے جا رہے ہیں اور حضور فخرِ موجودات علیہ السّلام والصلوٰۃ کی آلِ اطہر، آپ کے رفیقِ کار صحابۂ کرام، آپ کے نام لیوا تابعین، تبع تابعین، آپ کی راہوں کے راہی اولیاءِ کرام۔۔۔۔۔۔ سب سے اخلاص و محبّت کا رابطہ رکھتے ہیں۔ اسلام نے انسانیت کے ساتھ محبت پر زور دیا ہے اور مظہرِ انسانیت اور شرفِ انسانیت حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہیں۔

خداوندِ قدّوس و کریم جل شانہٗ نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کو اپنی اطاعت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کو اپنی محبت، ان کے ہاتھ اور ان کے فعل کو اپنا ہاتھ اور اپنا کام قرار دیا ہے۔ خدا نے اپنے آپ کو ربّ العالمین اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمۃٌ للعالمین فرمایا۔ اس نے اگر اپنے آپ کو رؤف و رحیم کہا ہے تو مسلمانوں کے لیے ہمارے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی رؤف و رحیم فرمایا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی آوازیں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرنے کو کہا ہے، ہمارے تمام تر معاملات میں ان کو حَکَم فرمایا ہے۔ غرض اللہ کا سارا کلام ان کی مدحت و ثنا سے بھرا پڑا ہے، آپ کے فضائل و کمالات کے تذکارِ پاک سے پُر ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اس رباعی کے علاوہ ان کا ایک مقطع ہے:

جو کہے شعر و پاسِ شرع، دونوں کا حُسن کیونکر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں

ان اشعار میں مولانا احمد رضا بریلوی نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے احکامِ شریعت کو ملحوظ رکھا

ہے اور کہیں ان سے رُوگردانی یا گریز کی راہ اختیار نہیں کی۔

محبت دین کی بنیاد ہے اور دین کی عملی صورت پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول و فعل ہے۔ اس لیے دین کی اصولیات پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کو تفوّق اور اوّلیّت حاصل ہے۔

اس مسئلے کو اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

مولا علیؓ نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیقؓ بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے
ہاں، تو نے اُن کو جان، اُنھیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصلُ الاصول بندگی اس تاجورؐ کی ہے

ان اشعار میں موجود تلمیحات سے واضح ہوتا ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ثابت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبّت میں جان تک نچھاور کرنا اصل ایمان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کی نعت داخلی اور خارجی شاعری کا حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنّت سے پوری طرح انطباق رکھتی ہے۔ خارجی شاعری کا تعلق کائنات سے ہوتا ہے لیکن جب شاعر اپنے ذاتی اور مخصوص تجربات و مشاہدات اور جذبات کو شاعری میں سمو دیتا ہے تو وہ داخلی شاعری کہلاتی ہے۔ فاضل بریلویؒ کی شاعری ان معنوں میں خارجی ہے کہ وہ کائنات کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر پر مبنی ہوتی ہے اور اس تذکرے میں کائنات پر سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے فیضانِ عمومی پر گفتگو ہوتی ہے۔ لیکن ان ارفع اور اعلیٰ مضامین کو نظم کرتے ہوئے آپ ان تصاویر میں داخلی رنگ

بھرتے ہیں اور اپنے قلب کی عکاسی کرتے ہیں۔ داخلیت اور خارجیت کے ان عناصر کے ساتھ احمد رضا بریلوی شریعت کا پاس رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

پیشِ نظر وہ نوبہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے۔ ہاں یہی امتحان ہے

یعنی جہاں محبت اور عشق کی انتہا کا سوال آتا ہے، شریعت سدِّ راہ بن جاتی ہے، اور کسی ایسی سمت سوچنے بھی نہیں دیتی جس سے دین نے منع کیا ہو۔ مولانا احمد رضا بریلوی نے اپنی جس نعت میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کا سب سے زیادہ ذکر کیا ہے، اس کا مطلع ہے:

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

ایک اور نعت میں فرماتے ہیں:

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بَری
حیراں ہوں میرے شاہؐ، میں کیا کیا کہوں تجھے
کہہ دے گی سب کچھ اُن کے ثنا خواں کی خامشی
چُپ ہو رہا ہے کہہ کے، میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

نعت سنّتِ کبریا ہے۔ قلم و زبان کا اس راہ میں قدم رکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اس فرض سے وہی شخص بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو سکتا ہے جس کی نگاہ علمِ دین کے تمام شعبوں پر ہو، جو شریعت پر پوری طرح عامل ہو، جو حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا سے سچی محبت رکھتا ہو۔ چنانچہ علمِ دین سے بے گانہ شخص کے لیے نعت گوئی واقعی بے حد مشکل کام ہے۔ جس شخص کو الوہیت کی حدود، رسالت کی عظمت اور اپنی کم مایگی کا شدید احساس نہ

ہو، خدا اور رسولِ خدا (جل شانہ، و صلّی اللہ علیہ و سلّم) کے احکام جس کے دل و دماغ پر مرتسم نہ ہوں، جو معبود اور محبوب کے نازک فرق کو پیشِ نظر نہ رکھے اور "عبد" اور "عبدہٗ" میں حد کو فراموش کر دے، ۔۔۔۔ اس کے لیے اس راہ سے بخیریت گزرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت جامع الصفات ہے۔ بیسیوں علوم پر ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ وہ اگر منفرد عالم تھے تو بے نظیر فقیہ بھی تھے۔ اگر علمِ ریاضی کے ماہرین اُن سے استفادہ کرتے تھے تو محدّثین و مفسرین نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ ہیئت، فلسفہ، نجوم، جفر اور بیسیوں دوسرے علوم میں اگر مُنتہیانہ شان کے مالک تھے تو بحرِ شعر و سخن کے بہت بڑے شناور بھی تھے۔ ان کے مجموعۂ کلام "حدائقِ بخشش" میں ایسے ایسے موتی منظوم ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

احمد رضا بریلوی نے ایسی سنگلاخ زمینوں میں مدحتِ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والثنا کے پھول کھلائے ہیں، مفاہیم و معانی کے وہ باب وا کیے ہیں اور سادگی و پُرکاری کی وہ مینا کاری کی ہے کہ ذوق عش عش کر اٹھتا ہے اور وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔ ان کے ہاں فکر کی گہرائی ہے، جذبوں کی سچائی ہے اور محاسن کی فراوانی ہے۔ انہوں نے قلب کی واردات کو صوت و آہنگ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

ان کی نعت گوئی کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ ان کی ادبی و شعری گُلکاریوں کی بنیاد قرآن و احادیث کے مضامین پر ہے۔ تلمیحات کی زبان میں انہوں نے خدا و رسول (جل جلالہ، و صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے ارشادات و فرامین اور سیرتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم سے اپنے شعروں کو مزیّن کیا ہے۔ مثلاً

ان پر کتاب اُتری بیاناً لّکُلِّ شئی
تفصیل جس میں مَا عَبَرَ و مَا غَبَرَ کی ہے

سنگ ریزہ می زند دستِ جناب
"مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ" آمد خطاب
اَنْتَ فِیْھِمْ نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائیِ دوست
کُھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شرابِ قَدْ رَاَ الْحَقّ زیبِ جامِ مَنْ رَاٰنِیْ ہے
ک گیسو ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع ص
کھیعص اُن کا ہے چہرہ نور کا

ان کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے چار زبانوں میں ایک نعت کہی ہے۔ اس سے پہلے امیر خسروؒ نے تین زبانوں میں غزل ضرور کہی، لیکن اس میں بھی مضمون آفرینی، بندشوں کی چستی اور کیف و گداز کی کیفیتیں نظر نہیں آتیں، جبکہ احمد رضا بریلویؒ کے ہاں ان کے علاوہ دیگر صنائع و بدائع بھی دکھائی دیتے ہیں اور تاثر کی اکائی کہیں مجروح ہوتی نظر نہیں آتی۔

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے، تجھ کو شہِ دوسرا جانا

کلامِ رضا کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ایک ایک شعر میں کئی کئی صنعتیں نظر آتی ہیں، ندرتِ تخیل اور مضمون آفرینی اپنی بہار دکھاتی ہے۔ "شعر و پاسِ شرع" کے امتزاج کا ادّعا اپنی جگہ سچا ہے اور گلستانِ نعت کے رنگا رنگ گل بُوٹوں کی شگفتگی اور تازگی میں جمالِ مصطفویؐ کا نکھار اور عشقِ حبیبؐ کی بہار وجد آفریں نظر آتی ہے۔ ایک نعت کا مطلع ہے۔

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمنؐ پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

اس میں صنعت تنسیق الصفات کے علاوہ تشبیہ کی ندرت اور پاکیزگی، فکر کی معانی آفرینی،

الفاظ کا انتخاب اور اظہار کی معصومیت عجیب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ تنسیق الصفات کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

اصالتِ کُل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

قصیدۂ درودیہ ۵۹۔ اشعار پر مشتمل ہے جس میں سات مطلعے ہیں۔ ہر شعر کا پہلا مصرع ذو قافیتین ہے اور ہر قافیے میں حروفِ ہجا کی ترتیب کا التزام ہے اور اِن تمام پابندیوں اور التزامات کے ساتھ، معانی آفرینی، محاسنِ سخن اور پاسِ شریعت بدرجۂ اتم نظر آتے ہیں۔ نمونہ دیکھیے:

بے ہنر و بے تمیز، کس کو ہوتے ہیں عزیز
ایک تمہارے سوا، تم پہ کروروں درود
سینہ ہے کہ داغ داغ، کہہ دو کرے باغ باغ
طیبہ سے آکر ہوا۔ تم پہ کروروں درود

یہ صورت آج تک کسی اور شاعر کے ہاں نظر نہیں آئی۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قُدِّس سرہ السامی جن پچاس سے زیادہ علوم کے مُنتہی تھے، ہم میں سے اکثر کو ان کے نام تک نہیں آتے۔ لیکن انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں بھی ان علوم و فنون کو استعمال کیا ہے۔ حدائقِ بخشش حصۂ سوم کے صفحہ ۳۳، ۳۴ پر ایک قصیدے میں علمِ ہیئت و نجوم کی اصطلاحات میں بات کی ہے۔ اپنے کلام میں جگہ جگہ انہوں نے مختلف علوم کی زبان میں مافی الضمیر بیان کیا ہے۔ علمِ ہندسہ اور مابعدُ الطبیعات کی کیفیت قصیدۂ معراجیہ میں ملاحظہ ہو۔

محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکّر میں دائرے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نُقطو، تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے، کدھر گئے تھے

نعتِ رضاؔ میں فلسفے کی جلوہ طرازیاں دیکھیے:

پوچھتے کیا ہو، عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جلیں جہاں، کوئی بتائے کیا کہ یوں
غایت و علّتِ سبب، بہرِ جہاں تم ہو سب
تم سے بنا، تم بنا، تم پہ کروروں درود

قصیدۂ نُور میں منطق کے اثرات دیکھیے:

ذرّے مہرِ قُدس تک تیرے توسُّط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صُغریٰ کو کُبریٰ نور کا

نعت میں علمِ نجوم کی مہارت کی ایک صورت یوں دکھائی:

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے چاند کی منزل غفر کی ہے
سعدین کا قران ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کیے ہیں تارے، تجلّی قمر کی ہے

احمد رضاؔ بریلوی رحمہ اللہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے بڑی مشکل زمینوں میں نعت کے نہایت شگفتہ پھول کھلائے ہیں، مثلاً

جس کو قُرصِ مہر سمجھا ہے جہاں اے مُنعمو!
ان کے خوانِ جُود سے ہے ایک نانِ سوختہ

اس شعر میں دیگر محاسن کے علاوہ صنعتِ حسنِ تعلیل کی پھبن بھی پیشِ نظر ہے۔ صنعتِ تلمیح تو اُن کے کلام میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔

عرش سے مژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مُرغِ سلیمانِ عرب
کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانؓ عرب

صنعتِ مراعات النظیر کی دو ایک مثالیں دیکھیے:

جا بجا پر تو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید، شب کو ماہ و اختر ایڑیاں
بزمِ ثنائے زُلف میں میری عروسِ فکر کو
ساری بہارِ ہشت خُلد چھوٹا سا عطردان ہے
مالکِ کونین ہیں، گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

صنعت تجنیس کی ایک مثال دیکھیے:

جو گدا دیکھو، لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نُور کی سرکار ہے، کیا اس میں توڑا نور کا

"حدائقِ بخشش" میں تجنیسِ مماثل، تجنیسِ زاید، تجنیسِ تام اور تجنیسِ خطی کی بہت سی مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے 'لفظ "خاک" کی نسبت سے کتنے مضامین ادا کیے ہیں:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا   خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا
اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں   یہ خاک تو سرکار سے تمغہ ہے ہمارا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالمؐ   اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

صنعتِ حسنِ تعلیل کی دو صورتیں مثال کے طور پر حاضر ہیں:

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلامِ ابروئے شہؐ میں خمیدہ ہونا تھا

جس کو قرصِ مہر سمجھا ہے جہاں اے مُنعمو!
ان کے خوانِ جُود سے ہے ایک نانِ سوختہ

صنعتِ تلمیح کا حُسن اربابِ علم و دانش کی نظروں کو یوں خیرہ کرتا ہے:

عرش سے مُژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں مُرغِ سلیمانِ عرب

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضؔا بریلوی کی قریباً ہر غزل میں دو تین شعر صنعتِ تضاد کا بہترین نمونہ نظر آتے ہیں:

دل عبث خوف سے پتّا سا اُڑا جاتا ہے
پلّہ ہلکا سہی، بھاری ہے بھروسا تیرا

صنعتِ تجاہلِ عارفانہ کی جلوہ ریزیاں بھی قابلِ دید ہیں:

طیبہ سے ہم آتے ہیں، کہیے تو جناں والو!
کیا دیکھ کے جیتا ہے، جو واں سے یہاں آیا
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگسِ مستِ ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں

ان کا ایک شعر ہے۔

خوب سعیٔ میں بہ اُمیدِ صفا دوڑ لیے
رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشہ دیکھو

اس کا تجزیہ کریں تو پہلے اور دوسرے مصرعے کے صفا میں صنعتِ تجنیس ہے۔ سعی چونکہ کوہِ صفا اور مروہ کے درمیان کی جاتی ہے، اس لیے پہلے مصرعے کے "صفا" میں صنعتِ ایہام بھی ہے اور سعی کی طرف اشارہ صنعتِ تلمیح بھی ہے۔ اسی طرح ان کے ایک ایک شعر میں کئی کئی صنعتیں نظر آتی ہیں۔

کلامِ رضؔا میں صنعتِ لف و نشر کی دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر، ایڑیاں
دل بستہ، بے قرار و جگر چاک و اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، شرار ہوں
دندان و لب و زلف و رخِ شہؐ کے فدائی
ہیں دُرِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن، پھول

لف و نشر غیر مرتب کی ایک ایسی مثال دیکھیے جس کی نظیر کسی نعت گو استاد کے کلام میں دکھائی نہیں دیتی۔

حسنِ یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

غزل گوؤں کے ہاں تو محاکات کے بڑے دلنشیں انداز نظر آتے ہیں لیکن آدابِ نعت کے ساتھ، اس خصوصیت کو اس انداز میں کوئی شاعر استعمال نہیں کر سکا جس طرح احمد رضاؔ بریلوی نے اسے برتا ہے۔ خصوصاً قصیدہ معراجیہ کے اکثر اشعار محاکات سے بھرپور نظر آتے ہیں:

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت ابھارتے تھے
اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے، ارے تھے

کسی ذرّے کی قسمت پر اگر چاند رشک کرے اور وہ رنگِ رخِ آفتاب بن جائے تو وہ کیسا ذرّہ ہوگا۔ لاریب وہ سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ گردوں جناب ہی کا ذرّہ ہو سکتا ہے۔ اور 'اپنی اس حیثیت پر' احمد رضاؔ بریلوی بجا طور پر مفتخر ہیں۔ حسنِ تغزل کا مزا بھی لیجیے:

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رُخِ آفتاب ہوں
ذرّہ جو تیرا اے شہِ گردوں جنابؐ ہوں

زبان کی سلاست، سادگی، بندشوں کی چستی، مضامین کی رفعت، الفاظ کا دروبست اور جذبات کی بے ساختگی کلامِ رضاؔ میں جابجا نظر آتی ہے۔ محاورہ بندی کی کچھ صورتیں پیش کرتا ہوں:

بڑھایہ سلسلہ رحمت کا دَورِ زلفِ والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا
لحد میں عشقِ رخِ شہؐ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے
طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد!
ہم عشق کے بندے ہیں، کیوں بات بڑھائی ہے

احمد رضاؔ بریلوی نے بڑی سنگلاخ زمینوں میں نعت کے رنگا رنگ پھول کھلائے۔ تین نعتوں کے مطلعے دیکھیے:

تمہارے ذرّے کے پرتو ستارہ ہائے فلک
تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک
نارِ دوزخ کو چمن کر دے بہارِ عارض
ظلمتِ حشر کو دن کر دے نہارِ عارض
رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

دیکھیے ایک اور سخت زمین کو انھوں نے کس طرح پانی کیا ہے:

خورشید تھا کس زور پر، کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رُخ ہوا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

اعلیٰ حضرت احمد رضاؔ کی ایک فارسی نعت کے دو شعر بھی ملاحظہ فرمائیے:

بر ابروئے آں قبلۂ قوسین سلامے
بر چشم خطا پوش و عطا بار درودے
برگوش نبیؐ، کانِ کرم باد سلامے
بر طرۂ آں گیسوئے خمدار درودے

اُسلوب اظہارِ خیال کا ذریعہ ہے لیکن جذبہ روحِ شعر ہے اور اس کے بغیر شاعری کا تصوّر بیکار ہے۔ انہوں نے اصولِ شرع کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اپنے جذبات سے کام لیا ہے۔ مکّہ معظمہ اور مدینۂ طیبّہ کے ذکر میں کہتے ہیں:

کعبہ دلہن ہے، تربتِ اطہر نئی دلہن
یہ رشکِ آفتاب، وہ غیرتِ قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی، مگر
جو پی کے پاس ہے، وہ سہاگن کنور کی ہے
سرسبزِ وصل یہ ہے، سیہ پوشِ ہجر وہ
چمکی دو پٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

طیبہ نہ سہی افضل، مکّہ ہی بڑا زاہد!
ہم عشق کے بندے ہیں، کیوں بات بڑھائی ہے

گنبدِ خضرا اور خاکِ طیبہ کا ذکر آیا ہے تو یاد رہے کہ عشّاقِ مصطفیٰؐ کے لیے اس سرزمینِ پاک میں جو کشش ہے، اس کے پیشِ نظر احمد رضاؔ نے اپنی بیشتر نعتوں میں خاکِ طیبہ کے بارے میں اپنے جذباتِ عقیدت، ارادت کا اظہار کیا ہے۔ جیسے:

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے، وہ رُتبہ ہے ہمارا

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا

"حاضریِ درگاہِ ابد پناہ" کے تذکرے میں کہتے ہیں:

ہاں ہاں، رہِ مدینہ ہے۔ غافل، ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

عشقِ سرورِ انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے آپ کو سگِ دربارِ آقا کہا اور اس پر فخر کیا، اور اس کے باعث آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو زیارت سے مشرّف فرمایا۔ ایک عالمِ نارسائی میں آپ نے مواجہہ شریف میں جب نعت کا یہ مقطع پڑھا۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

تو حضور رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں دیدار سے نوازا۔ سگِ طیبہ سے نسبت پر فخر کوئی نیا موضوع نہیں۔ نعت گو شعرا آج تک اس موضوع پر اپنے جذباتِ عقیدت کو قلم و قرطاس پر بکھیرتے آرہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کہا۔

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

حضور نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیار سے نسبت کے ساتھ احمد رضاؔ بریلوی کی محبت اور عقیدت کا یہ عالم ہے کہ عظیم مدح گوئے مصطفیٰؐ حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے یہی نسبت قائم فرمانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کیونکہ ثنا خوانیٔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارفع و اعلیٰ مقام اور کیا ہو سکتا ہے۔

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسّانِؓ عرب

ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے خدا کے حضور جس مقامِ محبوبیت پر فائز

ہیں، اس کی توصیف و ثنا برحق ہے مگر بطورِ خاص جب اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور عُلوِ خاص سے نوازا، تو اس کا ذکر اعلیٰ حضرتؒ نے بھی فرمایا۔

پوچھتے کیا ہو، عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جلیں، جہاں کوئی بتائے کیا کہ یوں

ان کے قصیدۂ معراجیہ کے ایک ایک شعر، ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف میں کیف و رنگ کی برسات اور محبت و ارادت کے جلوے نظر آتے ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوتے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

علامہ احمد رضا خاں دین کے ایک متبحّر عالم کی حیثیت سے مختلف اختلافی امور کو شعر کے جامے میں یوں حل کر دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ دیکھیے۔

ہے انھی کے دم قدم سے باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالَم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

اسی مضمون کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا ہے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اعدائے مصطفیٰؐ کا ذکر ہمیشہ سخت الفاظ میں کیا ہے۔ ان کی کسی سے لڑائی اپنی ذات کی خاطر نہیں، ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے رہی۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کے بارے میں کسی ایسے خیال کا اظہار کریں جو قرآن و احادیث کی تعلیمات کے منافی ہو، احمد رضاؒ اُن کو کسی چھُوٹ کا سزاوار نہیں سمجھتے۔

کلکِ رضاؔ ہے خنجرِ خونخوار، برق بار
اعدا سے کہہ دو، خیر منائیں، نہ شر کریں

اس سلسلے میں ان کا واضح موقف یہ ہے کہ

دشمنِ احمدؐ پہ شدت کیجیے
ملحدوں سے کیا مروّت کیجیے

اعلیٰ حضرت بریلویؒ کو اللہ تعالیٰ کے خالق و مالکِ حقیقی ہونے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان کا بندہ ہونے اور ہمارے ان دونوں کا بندہ ہونے کا اعتراف بھی ہے اور افتخار بھی، کہ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا تعالیٰ کے بندے بھی ہیں لیکن محبوب بھی تو ہیں، اور خالق و مالکِ حقیقی کا محبوب کس کس چیز کا مالک نہ ہو گا۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیبؐ
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

شاعری کے بارے میں مختلف تنقید نگاروں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شاعری خیالات اور الفاظ کا مجموعہ ہے جس میں جذباتی عُنصُر بھی شامل ہو۔ شاعری اظہارِ جذبہ کا نام ہے۔ شاعری تمام علوم کی روح ہے۔ شاعری حسن کی متوازن تخلیق ہے۔ شاعری تخیل کی مدد سے پاکیزہ جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ شاعری زندگی کی تفصیل ہے۔ شاعری ایک ایسا فن ہے جس میں صداقت و تخیل کا امتزاج ہوتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے بیشتر خیالات پر اعلیٰ حضرت کی شاعری پوری اترتی ہے۔۔۔۔ اگرچہ ان کی شاعری محض محبت ہے، دین ہے، ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفّظ کا احساس ہے، جذبہ ہے، خلوص ہے۔ ان کے خیالات میں لطافت و نزاکت ہے۔ وہ واردات قلبیہ کو شعری زبان بخشتے ہیں۔ بندش کی چستی، خیالات کی نزاکت اور معنی آفرینی ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی شاعری محض قافیہ پیمائی نہیں، صدق و خلوص کی رہنمائی میں روانی، ہمواری اور پختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

آپ صرف شاعر نہیں بلکہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، مصنف، قاری، حافظ، متکلّم اور

منتہی تھے۔ آپ نحو، صرف، کلام، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، ہیئت، اصول، فقہ، منطق، نجوم، جفر، اور بیسیوں دوسرے علوم کے منتہی تھے۔ آپ نے جتنی کم عمری میں تمام علوم میں سندِ فضیلت اور مہارتِ تامہ حاصل کی، اس کے بارے میں جان کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ کسی انسان میں ایسی خصوصیات ہو سکتی ہیں، مگر جس پر اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی نظرِ کرم ہو، اس کے لیے یہ صلاحیتیں تعجب کی بات نہیں۔ مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پچاس کے قریب علوم کی ہزار کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے ایک فتاویٰ رضویہ ہے جو ہزارہا صفحات پر مشتمل ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ جذبۂ عشقِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فروغ و تحفظ کے داعی تھے۔ آپ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو کسی خوف کے بغیر اپنے لیے طرۂ امتیاز سمجھا۔ آپ کی فکر و نظر کا سرچشمہ قرآن و سنت تھا اور زندگی عشقِ فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ سے عبارت تھی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کے تبحرِ علمی اور نکتہ آفرینی کا اعتراف اکابرِ اسلام نے کیا ہے اور برصغیر کے علاوہ حرمین الشریفین کے علما و فضلا نے آپ کو مجددِ مأتہ حاضرہ قرار دیا۔ اس نابغۂ روزگار شخصیت نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، شکایت اور گلہ گزاری تک بھی نہیں پہنچے مگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معاملہ آیا تو کبھی رُو رعایت بھی نہیں کی۔

آپ کی جلالتِ علمی اور محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اعتراف عرب و عجم کے آپ کے ہم عصر علما ہی نے نہیں کیا، آج کے علما اور ادبا بھی ان کی جامع الصفات شخصیت کی تعریف و توصیف میں رطبُ اللساں ہیں۔ ہندوپاک کے مشہور ادیب و نقاد اور عالم، استاذالاساتذہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ فرماتے ہیں۔ "عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ ہو، وہ ترجمانِ علم و حکمت، نقیبِ حق و صداقت اور محسنِ انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ بھی ایسے ہی عالم دین تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، وہ بلاشبہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر مفسرِ قرآن، عظیم محدث اور سحربیان خطیب تھے۔ لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ تھا اور وہ ہے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا۔" (پیغاماتِ یومِ رضا۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور)

اردو کے نامور محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں "اردو شاعری اور تصوف" کے موضوع پر اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں۔ "اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشقِ رسولؐ یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر بھی کر دیا جائے جن سے ہمارے ادبا نے بے اعتنائی برتی ہے حالانکہ یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنھوں نے نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیے ہیں"۔ (فکر و نظر اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۷۶ء)

ماہر القادری کا کہنا ہے۔ "مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے۔ یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے"۔ (فاران کراچی۔ ستمبر ۱۹۷۳ء)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی تصنیف "اردو کی نعتیہ شاعری" میں اس عظیم مدح گوئے مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ "علماءِ دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا ہے۔ ان کی شاعری کا محور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی اور سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں"۔

ان کے علاوہ ادبا و محققین میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر فیاض کاوش، شاعر لکھنوی، حکیم نیر واسطی اور بہت سے دوسرے اہل علم و فضل حضرات نے مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علم و ادب اور عشقِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اپنے

تأثرات قلم بند کیے ہیں۔

ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی روایت کے مطابق حکیم الاُمت شاعرِ مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ "ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے ان کی ذہانت، فطانت، جودتِ طبع، کمالِ فقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحّر ظاہر ہوتا ہے۔" (اُردو ڈائجسٹ لاہور۔ سالنامہ ۱۹۷۵)

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرّہ العزیز نے جہاں ایک شاعر کی حیثیت سے بڑے بڑے نقادانِ فن سے اپنے کمالات کا لوہا منوایا ہے اور زمانے کے عظیم علماءِ کرام نے ان کے علمِ دین کا اعتراف کرنے کو اپنی عزت سمجھا ہے، ۔۔۔۔۔۔ وہاں آپ اتنے بڑے ریاضی دان تھے کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین، پروفیسر سلیمان اشرف کی معیت میں ریاضی کے کسی الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ نے اسے منٹوں میں حل کر دیا۔ نجوم، فلکیات، علم الرجال، علم الحدیث، ارضیات، فنِ اوفاق و تکسیر، علمِ جفر اور بیسیوں علوم میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں ان کے کمالات کی متعدد روایات ملتی ہیں۔ بلا تکلف تاریخی مادے بیان کر دیا کرتے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں نے کبھی سیاست میں باقاعدہ حصہ نہیں لیا مگر جب اسلام کی حقّانیت کے خلاف ژاژ خائی ہوئی اور ملّی تشخّص و تحفّظ کے خلاف کارروائیاں عمل میں آنا شروع ہوئیں، ان کے خلاف ضرور آواز بلند کی۔ اکبر اور جہانگیر کے دور میں "وحدتِ ادیان" کا جو شور مچا اور "دینِ الٰہی" کے نام سے جو کھچڑی تیار کی گئی تھی، اس سازش کا مقابلہ، مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے تصوّر کے احیاء و فروغ کے لیے امامِ ربانی مجدّدِ الفِ ثانی علیہ الرحمہ نے کیا۔ حضرتِ مجدد شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کی تقلید میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے غیر مسلموں کے ساتھ محبت و مودّت اور مواخات کے خلاف پُر زور آواز بلند کی۔ انہوں نے فرمایا۔ "تمہارے کام نہ انگریز کی پتلون آئے گی، نہ پنڈت کی دھوتی۔ تم صرف سرکارِ ابد قرار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے در کی غلامی کی بدولت عروج و ترقی کر سکتے ہو"۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے ملّی تشخّص کا نہ صرف ملّتِ اسلامیہ کو تصوّر دیا بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی ہربانگی کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی اور ترکِ موالات کی مخالفت میں مشرکین سے میل جول، اختلاط اور سیاسی اتحاد کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کیا۔ کہتے ہیں۔ "گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحد پر قشقہ جو شعارِ شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد اہلِ ہنود کی تفریح گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعارِ اسلام ہے۔ یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لیے ڈھل گئے ہیں کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت، نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔" (النور)

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں کو "جدید فرقہ گاندھویہ" کا نام دیا جو ہر لحاظ سے جامع ومانع ہے۔

انہوں نے عربی زبان میں ایک تفسیر لکھی۔ بیضاوی، در منثور، خازن، معالم، اتقان پر عربی میں حواشی لکھے۔ حدیث اور اصولِ حدیث پر پچاس کے قریب کتابیں لکھیں، فقہ و تجوید پر ۷۰، اور عقائد الکلام پر آپ کی ۲۲ تصانیف ہیں۔ تاریخ و سیر پر ۷، علم جفر و تکسیر پر ۱۱، جبر ومقابلہ پر ۴، نجوم و توقیت اور حساب پر ۲۱، اور علم ہیئت، ہندسہ اور ریاضی پر ۲۸ کتابیں تحریر فرمائیں۔ فلسفہ اور منطق پر ۶ کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب زمین کی حرکت کی تردید میں، اور ایک کتاب سورج کی گردش کے ثبوت میں ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اور کلام وغیرہ کی ڈیڑھ سو کتابوں کے حواشی لکھے جو بجائے خود مستقل تصانیف کا درجہ رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کافر بناتے تھے۔ ان پر کافر گری کے اس الزام کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے زندگی میں صرف پانچ مرتبہ تکفیر کی ہے۔۔۔۔ اولاً مرزا غلام احمد قادیانی کی۔ ثانیاً اس عبارت پر کہ اگر آنحضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہزاروں نبی پیدا ہو جائیں تو بھی آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ثالثاً اس اصرار پر کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ رابعاً شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم رکھنے پر۔ اور خامساً اس بات پر کہ جتنا علم حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے' اتنا تو بچوں' پاگلوں اور جانوروں کو بھی ہے۔

مولانا احمد رضؔا کے معاندین اُن پر اُمورِ بدعت کی سرپرستی کا الزام بھی عاید کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے بڑا افترا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ قرآن وسنت کی تبلیغ میں زندگی گزار دینے والا شخص بدعت کا حامی کیسے ہو سکتا ہے؟۔ حقیقت یہ ہے کہ مخالفت ومخاصمت کے طوفان کے زیر اثر جو کچھ بھی کہہ لیا جائے مگر اعلیٰ حضرت نے امورِ بدعت کے خلاف جو جہاد کیا ہے' وہ بہت کم علماءِ دین کے حصے میں آیا ہو گا۔ دین کی اس اساس کے بارے میں کہ تحریمی یا تعظیمی ہر طرح کا سجدہ صرف اور صرف وحدہٗ لاشریک کے لیے ہے' اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ" لکھی۔ آپ نے اولیا اور عوام کے مقابر پر خواتین کے جانے کی ممانعت کا فتویٰ دیا' پیر سے پردہ واجب قرار دیا' آخری چہار شنبہ کی رسوم وغیرہ کو بے اصل ٹھہرایا۔ قبر اور بوسہ کے بارے میں فتویٰ دیا کہ "بلا شبہہ وشک غیر کعبۂ معظمہ کا طواف ناجائز ہے اور غیرِ خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسۂ قبر میں علما کا اختلاف ہے۔ خصوصاً مزاراتِ طیبہ اولیاءِ کرام کہ ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑے رہو۔ یہی ادب ہے۔ پھر بوسہ کیوں کر متصوّر ہے"۔

مولانا احمد رضؔا خاں علیہ الرحمہ کا مقامِ علمِ دین میں شانِ مجددیت کا حامل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتبِ اصول میں احکامِ شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض' واجب' مستحب' مباح' حرام' مکروہِ تحریمی' مکروہِ تنزیہی۔ مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان کی ہیں اور مذکورہ بالا سات میں سنتِ مؤکدہ' سنتِ غیر مؤکدہ' اسائت اور خلافِ اولیٰ کا اضافہ کیا ہے۔

آپ کے ترجمۂ قرآنِ مجید "کنزالایمان" کے مطالعے سے ہر شخص اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ اس میں علم وفضل کی فراوانی اور ترجمے میں اصل کی روح کی کار فرمائی کے ساتھ ساتھ عشق ومحبت کا بھرپور اثر ہے۔ اس ترجمے کا دوسرے ترجموں کے ساتھ موازنہ کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت ومحبت کے باعث اعلیٰ حضرت کو قرآن فہمی کی صلاحیت بطورِ خاص ودیعت ہوئی ہے مثلاً پارہ ۹' رکوع ۱۸ کی ایک آیت کا ترجمہ کم وبیش باقی سب مترجموں نے کچھ اس طرح کیا ہے۔ "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔" مولانا احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے"۔

یہ عظیم مفسر' محدث' فقیہ' شاعر' عبقریٔ اسلام اور عاشقِ رسول ۱۴ جون ۱۸۵۶ کو بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کو جمعہ کے دن واصل بحق ہوئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

========☆☆☆========

❖

عوام وخواص کے
دلوں پر دستک دینے والے
اکبر وارثی میرٹھی

خواجہ صوفی محمد اکبر خان اکبر وارثی میرٹھی کا اصل وطن موضع بجولی تھانہ کھرکھودا، تحصیل ہاپڑ ضلع میرٹھ ہے۔[1] ان کا سن وفات ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء ہے۔[2] ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے لکھا ہے "کراچی میں غالباً ۱۹۵۲ء میں انتقال کیا۔"[3] انہوں نے اکبر وارثی میرٹھی کے پانچ مجموعوں کے نام لکھے ہیں، باغ کلام اکبر، نہال روضۂ اکبر، ریاض اکبر، گلزار اکبر اور گلستان اکبر ——— لیکن اشعار صرف باغ کلام اکبر مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۴ء سے دیے ہیں[4]

راقم السطور نے حاجی غنی احمد تاجر کتب لکھنؤ کا ہندوستان پریس لکھنؤ سے چھپا ہوا "باغ کلام اکبر عرف دیوان اکبر" دیکھا جو ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، سن اشاعت درج نہیں۔ اندرونی صفحات پر کتاب کا نام "ریاض اکبر" لکھا ہے۔ اس میں ۹ حمدیں، ۱۱ نعتیں، آٹھ مناقب، ایک نظم اور ۵۲ غزلیں ہیں۔[5]

میں نے کارخانہ بلال سٹیم پریس ساڈھورہ کا مطبوعہ ۹۶ صفحات کا اصلی دیوان اکبر (مدائح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھا جس میں ۱۲ حمدیں، ۹۷ نعتیں، ایک مناجات، ایک نعتیہ مخمس، ۶ مناقب اور ۳ نظمیں ہیں۔[6]

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے پانچ دیوانوں کے علاوہ ان کی تصانیف میں کلیات، احوال، شہادتین وملال حسنین، روایت مشاط، ہدیۂ اعظم، جنت کی کلی، جنت کا پھول، میلاد شریف اکبر، معراج مجلی[7]، تاریخ اسلام وغیرہ لکھی ہیں[8]۔

"میلاد اکبر" کے بارے میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری لکھتے ہیں "مولود شہیدی (کرامت علی

خاں شہیدی بریلوی شہید مدینہ کا مولود) کے بعد میلاد شریف کی کتابوں میں جو قبول عام "میلاد اکبر" کو نصیب ہوا، وہ کسی دوسری کتاب کو نہ ملا۔ "میلاد اکبر" کی تقلید میں کئی کتابیں لکھی گئیں لیکن "مولوی مدن" والی بات کسی میں پیدا نہ ہو سکی۔"[9] پروفیسر سید یونس شاہ مولود شریف کی دس کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ان مولود ناموں میں بعض محض برائے حصول ثواب لکھے گئے ہیں اور فن شاعری کا لحاظ بہت کم رکھا گیا ہے۔ موزونیٔ طبع کو بنیاد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کو بیان کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن اکبر وارثی کی بات دوسری ہے، ان کا کلام فکر وفن سے آراستہ ہے۔"[10]

اکبر وارثی میرٹھی کے "میلاد اکبر" میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منظوم بیان ہے۔ ساتھ ہی ساتھ منظومات بھی دی ہیں۔ کتاب میں ۴ حمدیں، ۴، نعتیں، ۲ مناقب اور ایک نظم ہے۔ راقم السطور کے پاس ملتان پبلشرز، اردو بازار لاہور کی چھپی ہوئی کتاب ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے لکھا ہے کہ میلاد اکبر جلیل بک ڈپو، حیدر آباد دکن سے بھی چھپا[11] نظیر لودھیانوی اس کے ناشر کا نام شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور لکھتے ہیں۔[12]

اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی نے اکبر وارثی میرٹھی کے فکر وفن کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے، اس سے کوئی صاحب علم متاثر نہیں ہو سکتا۔ لکھتے ہیں "اکبر میرٹھی حضرت بیان (یزدانی) کے شاگرد تھے۔ انہیں علمیت تو واجبی سی تھی لیکن نعت خوانی کی وجہ سے شہرت عام حاصل کر لی تھی۔ پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کرتے رہتے تھے اور جگہ جگہ مجالس میلاد منعقد کرتے تھے۔ پیشہ ور نعت گو تھے۔۔۔ اُن کے کلام میں کوئی بات نہیں۔ سادہ زبان میں عام فہم نعتیں ہیں۔"[13]

اس کے برعکس ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اکبر کی نعتوں کے بارے میں یہ رائے قائم کرتے ہیں "اکبر نے اپنی استادانہ فنی خوبیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔۔۔۔ گو کہ اکبر عربی اور فارسی میں تبحر رکھتے ہیں اور ان زبانوں

میں بھی نعت کہتے ہیں لیکن اردو میں سلاست اور روانی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ روانی اور بندش کی چُستی اس قدر ہے کہ وہ یقیناً اردو کے بہترین اساتذہ کی صف میں شمار ہو سکتے ہیں۔ ... فنی اعتبار سے اکبر کے کلام میں کہیں اسقام نظر نہیں آتے اور یہ اُن کی بہت بڑی ادبی کامیابی ہے۔"[۱۴]

ڈاکٹر فرمان فتحپوری اکبر کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں "وہ اردو کے ایک خوش فکر اور خوش ذوق شاعر ہیں، اُن کی خوش فکری اور خوش ذوقی کی اصل جولانگاہ نعت کا موضوع ہے۔ اس موضوع سے انہیں گہرا لگاؤ ہے جو انہیں شعر گوئی پر مجبور بھی کرتا ہے اور اُن کے کلام میں حسن و تاثیر کے رنگ بھی بھر دیتا ہے۔ ... اُن کی شاعری کی بنیاد تصنع و تکلف پر نہیں بلکہ جذبے کی سچائی اور احساس کی پاکیزگی پر ہے۔"[۱۵] پروفیسر سید یونس شاہ لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ ان کی نعتوں میں جذبہ اور صداقت کا عنصر بڑا وافر ہے اور بناوٹ کا کہیں گمان نہیں ہوتا۔ ... آپ کی نظمیں بھی تغزل سے خالی نہیں"[۱۶]

"شام و سحر" لاہور نے چھ سات برسوں میں چھ ضخیم نعت نمبر شائع کیے لیکن ان میں اکبر وارثی میرٹھی کے بارے میں صرف نفیر لودھیانوی مرحوم کی محولہ بالا رائے ہی شامل کی گئی۔ اس سے مجھے بدگمانی ہوئی کہ ان کا نعتیہ کلام سامنے نہ ہونے اور محض "میلادِ اکبر" کے نام کے زیرِ اثر انہیں کم علم شاعر ہی نہ سمجھا جاتا رہے اور "اُن کے کلام میں کوئی خاص بات نہیں" کی رائے ہی کو مستحکم نہ جان لیا جائے۔ اس لیے زیرِ نظر مقالے میں ان کی کچھ نعتوں میں سے چند شعر نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں تاکہ اکبر وارثی کی شاعرانہ حیثیت کے بارے میں اربابِ علم و دانش کوئی مبنی بر انصاف رائے قائم کر سکیں۔

ردیف الف

والّیل جس کی زلف ہے، والشمس جس کا رُخ   ہو ایسے چاند کے لیے ہالہ درود کا [۱۷]
کیا خاک باغِ خلد کی ہو آرزو ہمیں   خاکہ ہے تیرے روضے کے نقش و نگار کا [۱۸]

اے موت! ابھی اور ہے جینے کی تمنا   باقی ہے مرے دل میں مدینے کی تمنا [۱۹]

غم نہ تھا عصیاں کا، کیسا ہی یم ذخار تھا
احمدِ مرسل مری کشتی کا کھیون ہار تھا [۲۰]

دیکھ لوں گا گر مدینہ سیدِ ابرار کا   کھینچ لوں گا دل میں نقشہ ہر در و دیوار کا [۲۱]

جو منظورِ خالق ہوئی رہنمائی   محمد کو بھیجا بشیراً نذیراً
محمد کہ محبوبِ سبحاں ہے اکبر   فَصَلُّوا عَلَیْہِ کَثِیْرًا کَثِیْرًا [۲۲]

آنکھوں میں شوق تیرا، لذت زباں پہ تیری   دل میں خیال تیرا، لب پر ہے نام تیرا [۲۳]

تمام اگلے صحیفوں کو کر دیا منسوخ   رسولِ پاک تمہاری کتاب کیا کہنا [۲۴]

کیا بشر کیا ملک کیا زمیں کیا فلک، عرش سے فرش تک شرق سے غرب تک
دیکھ کر نورِ حق ہر کوئی یک بیک، آمد آمد کا مژدہ سنانے لگا [۲۵]

تھی ہر اک جانب صدا، اے کفر اب کافور ہو
رونق افروزِ جہاں خیر البشر ہونے لگا [۲۶]

آپ کے فیض سے بحرِ فضلِ خدا   موجزن موجزن موجزن ہو گیا [۲۷]

ردیف ب

پاس بلوا کے دو عالم کا بنایا مختار   ذاتِ سبحاں ہے فقط مرتبہ دانِ محبوب
کہیں طٰہٰ، کہیں یٰسٓ، کہیں مزمّل   خوب قرآں میں لکھے نام و نشانِ محبوب [۲۸]

ردیف ت

ہجرِ شہ کوثر میں پروتا تھا گہر رات   بارانِ مسلسل تھے مرے دیدۂ تر رات [۲۹]
حق نے فرمایا کہ آ عرش پہ اے ختمِ رُسل   کہ زیارت کی تمنا ہے بڑی آج کی رات [۳۰]

ردیف ج

کس سروِ سہی قد نے قدم رنجہ کیا ہے   ہے رشک وہ باغِ جناں فرشِ زمیں آج [۳۱]

اس بزمِ مقدس میں بجز طالب و مطلوب
تھا کوئی انیس اور نہ محرم شبِ معراج [۳۲]

ردیف ح

براق آپ کا اک آن میں شبِ معراج   گیا دعا کی روش ، آگیا گماں کی طرح [۳۳]

ردیف خ

باغ میں ذکرِ جمالِ احمدی سے ہے نہال
خوشہ خوشہ، غنچہ غنچہ، پتا پتا، شاخ شاخ [۳۴]

ردیف د

رتبے میں ہے یہ عرشِ معلّیٰ سے بھی اونچی   اللہ غنی کرسیِ ایوانِ محمد
سجدہ کیا اور لوٹ گیا اپنی جگہ پیڑ   اشجار بھی پہچانتے ہیں شانِ محمد [۳۵]
تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمد   کیا نام ہے اسے صلِ علیٰ نام محمد
آنکھوں میں بسے دل میں رہے ہونٹوں پہ آئے   طیبہ کی فضا ، یادِ خدا ، نام محمد [۳۶]
اللہ غنی رتبہ والائے محمد   ہیں شمس و قمر نقشِ کفِ پائے محمد [۳۷]
خوشبو کی طرح سائے کو دیکھا نہ کسی نے   پھولوں کی فضا ہے قدِ رعنائے محمد
اُس شخص کا منہ چومتے ہیں آکے فرشتے   جو ورد کیا کرتا ہے اسمائے محمد [۳۸]
سجدے میں گرے کنگرے کسریٰ کے محل کے   کس شان سے تشریف یہاں لائے محمد
سب نبیوں کے سر پر تو ہوا عرش کا پایہ   اور عرش کی چوٹی پہ کفِ پائے محمد [۳۹]
جانے بھی دے ارم کو ، رضواں نہ روک ہم کو   سینے پہ لکھ لیا ہے صلِ علیٰ محمد [۴۰]

ردیف ذ

شافعِ حشر کے ناموں کا ہے باندھا تعویذ   مرے اعمال بُرے تھے ، ملا اچھا تعویذ [۴۱]

ردیف ر

رہ گئی حیران سوسن لیتے ہی وہ نامِ پاک
کھل گئیں نرگس کی آنکھیں حسنِ جاناں دیکھ کر [۴۲]
توصیف میں ہے جس کی وَالّیلِ اِذا یَغشیٰ
مرجاؤں میں ان کالی زلفوں پہ فدا ہو کر [۴۳]

ردیف س

یوں حلقہ زن تھے گردِ محمد ملائکہ   ہالہ ہو جس طرح مہِ انور کے آس پاس
ہوگی تمام خلق پہ ہے مغفرت کھڑی   روزِ نشور شافعِ محشر کے آس پاس [۴۴]
دل سے تو ہیں حبیبِ خدائے غفور پاس   کیوں جا بجا تلاش کیا اُن کو دور پاس [۴۵]

لاکھ شکرانے ادا جاکر کریں گے اے خدا
ہم پہنچ جائیں مدینے میں اگر اب کے برس [۴۶]

یا الٰہی ہو مدینے کا سفر اب کے برس   ابر کی صورت ہیں گریاں چشمِ تر اب کے برس [۴۷]

ردیف ش

اے ترے نعرۂ "بَرداً وَّ سَلاماً" کے نثار   کردے تو اُمتِ احمد پہ گلستاں آتش
سوزِ عشقِ شہِ کوثر سے ہے دل انگارہ   میرے سینے کی انگیٹھی میں ہے پنہاں آتش [۴۸]

ردیف ص

ہم ہیں گنہگار ، ہمیں بخشوائیے   جاکر کریں گے شافعِ روزِ جزا سے عرض [۴۹]

ردیف ط

مجھ کو حبیبِ پاک کے کوچے میں لے چلو   ہوگا نہ میرا روضۂ رضواں سے غم غلط [۵۰]

ردیف ف

روضۂ محبوب کو جاتا ہوں میں کس شوق سے   تشنہ لب جیسے مسافر کوئی دریا کی طرف
لے چل اے یادِ نبی ، عشقِ نبی ، شوقِ نبی   غرب کی جانب ، عرب کی سمت ، بطحا کی طرف [۵۱]

ردیف ق

جان سے کر جائے گا مولا ترا دردِ فراق   ریشے ریشے میں چمک ہے ، جا بجا دردِ فراق [۵۲]

ردیف ل

جوشِ ہجرِ شہ میں ہر آنسو بنا ہے آبلہ   بلبلے پانی میں ہیں یا شاخِ دریا پھول پھول [۵۳]

ردیف م

عشقِ محبوبِ خدا ، تو ہی ہمارا خضر ہو   فی سبیل اللہ اھدنا الصراط المستقیم [۵۴]

ردیفِ ن

آمدِ مصطفیٰؐ سے ہے پھولا پھلا چمن چمن   آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن [۵۵]
عیدِ میلادِ محمدؐ سے نہیں بڑھ سکتیں   لاکھ دکھلایا کریں شان و تجمّل عیدیں [۵۶]

آجائیے محبوبؐ خدا، بچھ گئیں پلکیں
آنکھوں کے ہے دروازے سے رستہ مرے دل میں [۵۷]

ایک تم ہو کہ ہے اللہ تمہارا مشتاق   ایک موسیٰؑ ہیں کہ ربِ ارنی کہتے ہیں [۵۸]

ردیفِ و

مرے محبوبؐ کی اُمت اتر کر جائے جنت میں   بچھا دے پر صراطِ حشر پر، جبریلؑ سے کہہ دو [۵۹]

ردیفِ ہ

مرے پاؤں اور خاکِ صحرائے طیبہ   مرا سر ہو اور خاکِ کوئے مدینہ
گریباں میں منہ ڈال کر اپنا دیکھے   ہے فردوس کیا روبروئے مدینہ [۶۰]

ردیفِ ی/ے

آسمانوں ہی پر سب نبیؑ رہ گئے   عرشِ اعظم پہ پہنچا ہمارا نبیؐ [۶۱]
کیا ہی پیارے ترے القاب ہیں اے ختمِ رسل   شاہِ دیں، سیدِ ذی شان، رسولِ عربیؐ [۶۲]

واں خدا، یاں مصطفیٰؐ، واں ذاتِ حق، یاں نورِ حق
شمع واں، یاں روشنی، واں چاند اور یاں چاندنی [۶۳]

غنچوں میں عطر بیز ہے خوشبو حضورؐ کی   نیر بخشیاں ہیں گل میں محمدؐ کے نور کی [۶۴]

طیبہ کا مالی کہلاؤں، روضے پہ چڑھانے کو آؤں
اک ہاتھ میں گجرا پھولوں کا، اک ہاتھ میں ڈالی پھولوں کی [۶۵]

دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی   روشن ہیں ترے نور سے سورج بھی قمر بھی
دی طائروں نے تیری رسالت کی گواہی   بول اُٹھے ترے حکم سے پتھر بھی شجر بھی [۶۶]

بیماریٔ عصیاں کا پتا نہ لگا رکھا   جب تیری شفاعت نے صحت کی ہوا ڈالی [۶۷]
پڑی جو دھوم زمانے میں اُن کے آنے کی   ہوا بدل گئی دم بھر میں کل زمانے کی [۶۸]

ثانی ترا کونین کے کشور میں نہیں ہے   بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے
کل خوبیاں اللہ نے حضرتؐ کو عطا کیں   یہ بات کسی اور پیمبر میں نہیں ہے [۶۹]

دونوں عالم ہیں نورٌ علیٰ نور کیوں، کیسی رونق فزا آج کی رات ہے
یہ مسرت ہے کس کی ملاقات کی، عید کا دن ہے یا آج کی رات ہے [۷۰]

خدا کے پیاروں میں اس کا شمار ہو جس پر   نگاہِ لطفِ رسالت مآبؐ ہو جائے [۷۱]
پیچھے آنا ہے ترا ختمِ نبوت کی دلیل   سائے کا ساتھ نہ ہونا تری یکتائی ہے [۷۲]

عرش و کرسی، مہر و مہ، ارض و فلک، لوح و قلم
سب محمدؐ کے لیے پیدا کیے اللہ نے [۷۳]

ان نعتیہ غزلوں کے علاوہ اکبر وارثی میرٹھی نے دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً،

کسی کا بلند ایسا رتبہ نہیں ہے   سرِ عرش یوں کوئی پہنچا نہیں ہے
یہاں "لن ترانی" کا جھگڑا نہیں ہے   درِ مصطفیٰؐ سنگِ موسیٰؑ نہیں ہے
یہاں عرش ہے طورِ سینا نہیں ہے [۷۴]

یہ کُل میں حکومت ہے کس کی، انھی کی   بھلی سب سے اُمت ہے کس کی، انھی کی
بڑی سب سے عزت ہے کس کی، انھی کی   خدا کو محبت ہے کس کی، انھی کی
خدائی بھی اِن کی، خدا بھی انھی کا
ہے سب سے بڑا مرتبہ بھی انھی کا [۷۵]

کتنا ہی گنہگار ہو، کیسا ہی خطاکار   پرسش نہ ہو زنہار
رحمت سے جسے اپنی تو کملی میں چھپا لے   اے گیسوؤں والے! [۷۶]

بجز گنہ میں ہوں لاچار   نیا آن پڑی منجدھار
آؤ مدد کو کھیون ہار   بیڑا پار لگانے والے
صلِّ علیٰ رسول اللہ، عرشِ بریں پہ جانے والے [۷۷]

اکبر وارثی میرٹھی نے سعدیؒ کے مشہور قطعے پر تضمین بھی کی ہے،

ہے دعائے اکبرِ خستہ تن کہ ہو پُر بہار کوئی چمن
ہے اس چمن میں اک انجمن کہ ہوں صدر جس میں شہِ زمنؐ
پڑھیں شیخ سعدیؒ خوش سخن، جو یہ اپنا شعر بصد پھبن
مری بات بھی وہاں جائے بن کہ ہوں ان کے ساتھ میں نغمہ زن

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ ، صلوا علیہ وآلہٖ [۲۶]

اکبر وارثی میرٹھی کا "یا نبی سلام علیک" بہت مشہور ہے اور اب بھی مساجد و محافل میں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا جاتا ہے:

جان کر کافی سہارا لے لیا ہے در تمہارا خلق کے وارث خدارا لو سلام اب تم ہمارا
یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک [۲۷]

"سلامِ قدس" میں اکبر وارثی کا ایک فارسی سلام بھی شامل ہے، ایک شعر دیکھیے:

ز خاکِ ہند برائے صبا سلام علیک
بہ بارگاہِ شہنشاہِ ما سلام علیک [۲۸]

ان کی ایک اور فارسی نعت کے دو اشعار بھی نذرِ قارئینِ کرام ہیں:

اے ز عکسِ لمعۂ حُسنت فروزان است شمع
صورتِ خورشیدِ عالم تاب تابان است شمع
جلوۂ حُسنش چرا رُو زیرِ بُرقع آورد
روشنیِ شمع بیرون است، پنہان است شمع [۲۹]

حواشی:

① رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۲۵ ② شفیق بریلوی۔ ارمغانِ نعت۔ ص ۱۶۹/ یونس شاہ، پروفیسر سید۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو حصہ دوم۔ ص ۲۸۲/ "صریرِ خامہ" حیدرآباد۔ نعت نمبر ۸، ۱۹۹۶ء (مرتب، حمایت علی شاعر) ص ۶۷ ③ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۲۵ ④ ایضاً ⑤ " ت (ماہنامہ) لاہور۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو، مرتبہ راجا رشید محمود حصہ اوّل، اپریل ۱۹۸۸۔ ص ۴۸ ⑥ ایضاً۔ ص ۴۷، ۴۸ ⑦ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ احمد حسین و ذکر الرحمٰن نے دہلی سے چھاپی تھی۔ ۴۴ صفحات کی اس کتاب کا نام "معراج نامہ کلاں معروف بہ معراجِ معلّٰی" ہے (مجلّی نہیں)، ذکرِ معراج نثر میں ہے۔ ۶ نعتیں اور ۲ نظمیں بھی ہیں۔ میلادِ اکبر کے آخر میں بھی یہ نعتیں اور ذکرِ معراج شامل ہے ⑧ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۲۵ ⑨ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ص ۹۲ ⑩ "تذکرۂ نعت گویانِ اردو"۔ حصہ دوم، ص ۲۸۲ ⑪ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۳۱ ⑫ "شام و سحر" (ماہنامہ) لاہور نعت نمبر ا۔ ۱۹۸۱ء ص ۴۴ (مضمون "تذکرۂ عندلیبانِ ریاضِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم از اصغر حسین خان نظیر لودھیانوی) ⑬ ایضاً۔ ⑭ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۲ ⑮ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ص ۹۳ ⑯ "تذکرۂ نعت گویانِ اردو۔ حصہ دوم۔ ص ۲۸۳ ⑰ اکبر وارثی میرٹھی، خواجہ محمد۔ میلادِ اکبر۔ ملتان پبلشرز، لاہور۔ ص ۱۰/ "نعت" (ماہنامہ) لاہور۔ درود و سلام حصہ چہارم۔ مارچ ۱۹۹۰۔ ص ۳۹ ⑱ محمد حسین، منشی (مرتب) نعتیہ کلام۔ صداقت بک ڈپو، لاہور۔ بار سوم۔ س ن۔ ص ۲۰ ⑲ ایضاً۔ ص ۸ ⑳ اکبر وارثی۔ اصلی دیوانِ اکبر (مداحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کارخانۂ ہلالی سٹیم پریس ساڈھورہ۔ س ن / سیف کلانوری، احمد علی۔ بوستانِ نعت فیروز سنز۔ ۱۳۵۰ھ۔ ص ۳ ㉑ اصلی دیوانِ اکبر/ ماہنامہ "نعت" اپریل ۱۹۸۸ ص ۴۷ ㉒ باغِ کلامِ اکبر۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔ ۱۹۲۴۔ ص ۵ ㉓ بوستانِ نعت۔ ص ۱۴ ㉔ میلادِ اکبر۔ ص ۲۲ ㉕ میلادِ اکبر ص ۳۹/ بوستانِ نعت۔ ص ۳۲/ "نعت" ماہنامہ (لاہور) اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۱۲۸ ㉖ نعتیہ کلام۔ ص ۲۲ ㉗ میلادِ اکبر۔ ص ۳۴ ㉘ فضل الدین ککے زئی، ملک (مرتب) نعتِ سلطانِ عرب المعروف بہ دربارِ یثرب۔ مطبوعہ نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور۔ ص ۲۹ ㉙ باغِ کلامِ اکبر۔ ص ۹/

نعتیہ کلام۔ ص ۲۶ ㉚ نعت سلطانِ عربؐ۔ ص ۳۴ ㉛ ایضاً۔ ص ۴۰
㉜ ایضاً۔ ص ۴۱ ㉝ باغِ کلامِ اکبر۔ ص ۱۱ ㉞ نعتیہ کلام۔ ص ۲۹
㉟ میلادِ اکبر۔ ص ۵۵، ۵۶ ㊱ ایضاً۔ ص ۱۸ ㊲ نعتیہ کلام۔ ص ۲۵/
نعت سلطانِ عربؐ المعروف بہ گلزارِ یثرب۔ ص ۴۸ ㊳ نعتیہ کلام ص ۳۲ ㊴
باغِ کلامِ اکبر۔ ص ۱۶/ نعت دربارِ یثرب۔ ص ۵۰، ۵۱ ㊵ میلادِ اکبر۔ ص ۹/
نعت دربارِ یثرب ص ۴۹ ㊶ "نعت" لاہور۔ اپریل ۱۹۸۸ء۔ ص ۴۷ ㊷
باغِ کلامِ اکبر۔ ص ۱۷/ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۲۹ ㊸ طلحہ رضوی برقؔ،
ڈاکٹر۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ دانش اکیڈمی، آرہ (بہار، بھارت) ۱۹۷۴ء۔ ص ۲۱/
میلادِ اکبر۔ ص ۱۸ ㊹ نعت گلزارِ یثرب۔ ص ۵۶ ㊺ نعت دربارِ یثرب
ص ۵۷ ㊻ نعتیہ کلام۔ ص ۴۷ ㊼ نعتیہ کلام۔ ص ۴۷/ نعت دربارِ یثرب
ص ۵۵ ㊽ نعت گلزارِ یثرب۔ ص ۵۹ ㊾ نعت گلزارِ یثرب۔ ص ۶۱۔
㊿ نعت دربارِ یثرب۔ ص ۲۲ (51) نعتیہ کلام۔ ص ۵۲ (52) باغِ کلامِ اکبر
ص ۲۳ (53) ایضاً۔ ص ۲۵ (54) نعت گلزارِ یثرب۔ ص ۴۷ (55)
میلادِ اکبر۔ ص ۳۰ (56) ایضاً۔ ص ۳۶ (57) نعتیہ کلام۔ ص ۲۱ (58)
نعت دربارِ یثرب۔ ص ۶۷ (59) میلادِ اکبر۔ ص ۱۷/ معراج نامہ کلاں معروف بہ
معراجِ معلّیٰ (60) میلادِ اکبر۔ ص ۵۳ (61) میلادِ اکبر۔ ص ۱۹/ مجموعۂ نعت
حصّہ اوّل (مرتبہ انیس احمد نوری) ص ۱۹۶ (62) منتخب نعتیں۔ جہانگیر بک ڈپو،
لاہور۔ ص ۲۴ (63) بوستانِ نعت۔ ص ۲۰۳ (64) میلادِ اکبر۔ ص ۲۷ (65)
میلادِ اکبر۔ ص ۴۴/ اصل میلادِ اکبر۔ ناشر جلیل بک ڈپو، حیدرآباد دکن۔ ص ۳۶۔
(66) میلادِ اکبر۔ ص ۵۰/ بوستانِ نعت۔ ص ۱۸۹ (67) میلادِ اکبر۔ ص ۱۰،
(68) ایضاً۔ ص ۸۵ (69) ایضاً۔ ص ۱۵ (70) ایضاً۔ ص ۹۹ (71)
ایضاً۔ ص ۸۵ (72) ایضاً۔ ص ۸۶ (73) ایضاً۔ ص ۸۶ (74) ایضاً۔ ص ۲۱
(75) ایضاً۔ ص ۳۶ (76) ایضاً۔ ص ۵۱ (77) "صریرِ خامہ" نعت نمبر۔ ص ۶۹
(78) میلادِ اکبر۔ ص ۸۱ (79) میلادِ اکبر۔ ص ۳۳/ ارمغانِ نعت۔ ص ۱۶۹/
سلام قدس۔ ص ۶۱ (80) سلام قدس۔ ص ۴۶ (81) نعت دربارِ یثرب۔ ص ۶۶

محبتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ایک پرچارک

حیاتؔ وارثی لکھنوی

حیاتؔ وارثی لکھنوی معروف نعت گو ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام مختلف رسائل و جرائد میں نظر سے گزرتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جس اُمتی کو طبعِ موزوں بخشی گئی ہو، اور اسے اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسانات کا بھی احساس ہو، ضروری ہے کہ وہ نعت کہے ـــــ اور سلسلۂ وارثیہ کے تو ہر اس بزرگ نے، جسے ذوقِ سخن ملا، نعت ضرور کہی ہے۔ سیّد حیاتؔ وارثی کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں، البتہ ان کے رشحاتِ قلم مختلف دینی رسالوں میں چھپتے رہے۔ ان کی جو نعتیں اس وقت میرے سامنے ہیں، ان میں مدینۂ طیبہ کی عظمت و محبت کے نغمے ہیں، سبز گنبد کے جلووں کی بہاروں کے راگ ہیں، مقامِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ ہے۔ شفاعتِ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اُمیدوں کا پرتو ہے، اُسوۂ محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی تقلید میں مضمر اچھائیوں کا حوالہ ہے، درود و سلام کے پھول ہیں۔

حیاتؔ وارثی محبتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر میں یوں زمزمہ سنج نظر آتے ہیں:

بخشی ہے خدا نے جنہیں توفیقِ محبت
وہ جانتے ہیں عشقِ حضورؐ اور ہی کچھ ہے [1]

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ہی اصلِ ایمان ہے تو خالق و مالکِ حقیقی جل وعلا نے جو اُن کے دربارِ گہربار میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سلسلے میں کسی کوتاہی کے ارتکاب پر احادیثِ مقدسہ میں

وعیدیں ملتی ہیں —— کیسے ممکن تھا کہ حیاتؔ وارثی درود و سلام کی اہمیت و فضیلت پر قلم نہ اُٹھاتے۔ چنانچہ ان کی کئی نعتوں میں اس وظیفۂ خداوندی کی تشویق و تحریک ملتی ہے:

پھر اور اب کس کے در پہ جائیں، کسے غمِ زندگی سنائیں
تمہی ہو جب بیکسوں کے یاور، درود تم پر سلام تم پر
کبھی تو آئے گا وہ زمانہ، کبھی تو ہوگا مدینہ جانا
پڑھوں گا روضہ پہ سر جھکا کر درود تم پر سلام تم پر [۲]

مالکِ انس و جاں پر درود و سلام   نازشِ قدسیاں پر درود و سلام
کوئی سائل نہ محروم واپس ہوا   قاسمِ دو جہاں پر درود و سلام [۳]

نگاہِ خاص سے کانٹے بھی بن گئے گلِ تر
بہارِ گلشنِ عرفاں! سلام ہو تم پر [۴]

نعت گو شعرا نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واقعے پر عام طور پر نعتیں کہی ہیں اور معراج کی رات کے ذکر میں محبوبیتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء کی بات کی ہے۔ حیاتؔ وارثی لکھنوی نے بھی اس حوالے سے مقامِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تذکرہ کیا ہے:

خلوت گہِ اسرا میں ہیں اللہ سے باتیں
اب آج یہاں شانِ حضورؐ اور ہی کچھ ہے [۵]

آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوِ مرتبت اور مقامِ عظمت کے اظہار کے اس واقعے کا ذکر "آج کی رات" ردیف کی ایک نعت میں یوں کرتے ہیں:

زینتِ عرش ہے خورشیدِ حرم آج کی رات
منزلِ قدس بھی ہے زیرِ قدم آج کی رات
زینتِ خُلد بھی ہے، تاجِ سرِ عرش بھی ہے
میرے محبوبؐ کا ہر نقشِ قدم آج کی رات [۶]

مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تعریف میں یوں رطب اللساں ہوتے ہیں:

صبحِ مدینہ مطلعِ ایماں   شامِ مدینہ نور بداماں [۷]

کار فرمائی نظر آئی تھی جن کی طور پہ
خاکِ طیبہ میں وہی جلوے ہیں پنہاں آج بھی [۸]

سوئے ادب ہے اس جا سانسیں بھی تیز لینا
اے دل! یہ بارگاہِ سرکارِ دو جہاںؐ ہے! [۹]

آ اے نسیمِ کوئے مدینہ! اِدھر بھی آ
پیراہنِ حبیبؐ کی نکہت لیے ہوئے [۱۰]

مدینہ پاک کے ذکر میں جنت کی بات بھی چلتی ہے۔ اس صورتِ حال سے جو کیفیت حیاتؔ وارثی کے یہاں پیدا ہوتی ہے، یہ ہے:

کم نہیں جنت سے جلووں میں مدینے کی زمیں
نور کی ہے ہر گلی، ہر ایک کوچہ نور کا [۱۱]

ہے بہاروں پر مدینہ کا گلستاں آج بھی
ہر کلی، ہر پھول ہے جنت بداماں آج بھی [۱۲]

صلِّ علیٰ طیبہ کی بہاریں   ہر غنچہ فردوس بداماں [۱۳]

ہر ذرہ ہے خورشیدِ رسالت سے فروزاں
نسبت ہی نہیں خُلد کو طیبہ کی فضا سے [۱۴]

فردوس کے باغوں کی بہاروں سے زیادہ
آرام گہِ ساقیِٔ اسلام حسیں ہے [۱۵]

ہر غنچہ رشکِ جنت، ہر گل ارم بداماں
طیبہ کی سرزمیں ہے یا گلشنِ جناں ہے [۱۶]

آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر کا کیا کہنا، مگر اس کی ساری عظمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے دم قدم سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہر کی قسم کھائی تھی تو

اسی لیے کہ وہاں اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چلتے پھرتے تھے۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو قسم مکہ معظمہ کے بجائے مدینہ منورہ کی ہو گئی۔ یعنی مکان کی حیثیت مکین ہی سے متعین ہوتی ہے۔ اسی لیے مدینہ طیبہ کی سرزمین کی ساری عظمتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باعث ہیں اور گنبدِ خضرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کی علامت ہے —— حیات وارثی بھی دوسرے نعت گوؤں کی طرح اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور سبز گنبد کی شان میں نغمہ سرا رہتے ہیں؛

عرش جس نور سے معمور نظر آتا ہے
سبز گنبد میں وہی نور نظر آتا ہے [17]
کیا گنبدِ خضرا سے بھلا طور کو نسبت
وہ اور ہے، یہ محفلِ نور اور ہی کچھ ہے [18]
گنبدِ خضرا ہے وہ سرچشمۂ حسن و جمال
جالیوں سے آج بھی بہتا ہے دریا نور کا [19]

بزمِ قیامت کے خیال سے ہَول آتا ہے، وہاں کی تشنہ کامی کا تصور پریشان کن ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفیع المذنبینی حوصلہ دیتی ہے۔ حیات وارثی لکھتے ہیں؛

شافعِ روزِ جزا آئے ہیں ساقی بن کر
تشنہ کامانِ محبت کا ستارہ چمکا [20]

حیات وارثی اہلِ ایمان کو بتاتے ہیں کہ اُسوۂ سرکار (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تقلید شعار کر لی جائے تو آلام نزدیک نہیں پھٹکتے،

اُسوۂ سرکارؐ کو جس نے بنایا راہبر
وہ گزر جاتا ہے ہنس کر منزلِ آلام سے [21]

حواشی: —— ① تاج (ماہنامہ) کراچی۔ نومبر ۱۹۸۷ء۔

ص ۳۲ ② آستانہ (ماہنامہ) دہلی۔ اپریل ۱۹۶۲۔ ص ۴۳ ③ آستانہ فروری ۱۹۶۳۔ ص ۴۰ ④ ایضاً۔ ص ۴۰ ⑤ تاج۔ نومبر ۱۹۸۷ء۔ ص ۳۲
⑥ آستانہ جنوری ۱۹۶۳۔ ص ۴۲ ⑦ آستانہ۔ فروری ۱۹۶۱۔ ص ۳۰۔
⑧ آستانہ۔ مارچ ۱۹۶۱۔ ص ۴۲/ ماہِ طیبہ (ماہنامہ) کوٹلی لوہاراں۔ ستمبر ۵۶ ⑨ ایڈیٹر نعت کی بیاض ⑩ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی کا مضمون ⑪ ماہِ طیبہ اکتوبر ۱۹۶۳۔ ص ۲۸ (یہ طرحی نعت ۱۴۔ اگست ۱۹۶۲/ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو انجمن خدام ملت دربھنگہ، بہار میں پڑھی گئی) ⑫ آستانہ مارچ ۱۹۶۱۔ ص ۴۲
⑬ آستانہ فروری ۱۹۶۱۔ ص ۳۰ ⑭ آستانہ۔ جنوری ۱۹۶۱۔ ص ۴۸۔
⑮ آستانہ۔ اپریل ۱۹۶۱۔ ص ۵۵ ⑯ ایڈیٹر نعت کی بیاض ⑰ نور و ظہور (ماہنامہ) قصور۔ اکتوبر ۱۹۶۰۔ ص ۲۷ ⑱ تاج۔ نومبر ۱۹۸۷۔ ص ۳۲۔
⑲ ماہِ طیبہ۔ اکتوبر ۱۹۶۳۔ ص ۲۸ ⑳ آستانہ۔ اکتوبر ۱۹۵۹۔ ص ۴۸۔
㉑ آستانہ۔ اپریل ۱۹۶۲۔ ص ۴۸۔

دِلّو رام کوثری

پروفیسر شفقت رضوی کا مضمون ''غیر مسلم نعت گو..... دلّو رام کوثری'' مارچ ۱۹۹۷ء کے ''قومی زبان'' میں نظر سے گزرا۔ ان کے بارے میں میرا سابقہ تاثر یہ رہا ہے کہ وہ کوئی مضمون لکھتے وقت تحقیق و تفحص سے کام لیتے ہیں۔ سہ ماہی ''اردو'' میں ان کے ایک مضمون ''ہندو شاعروں کے کلام پر فکرِ اسلامی کے اثرات'' کا ذکر میں نے اپنی تالیف ''غیر مسلموں کی نعت گوئی'' میں بھی کیا ہے۔ لیکن زیرِ نظر مضمون کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اس میں انھوں نے اُس دقّتِ نظر سے کام نہیں لیا، موضوع کے حوالے سے جس کی ضرورت تھی۔

پروفیسر شفقت رضوی نے ''خیر البشر ﷺ کے حضور میں'' کے حوالے سے ممتاز حسن کی تحریر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''دلّو رام کا مسلمان ہو جانا ایک خوش خبر سے کم نہیں لیکن ہماری نظر سے ان کا جو کلام گزرا ہے، اس میں ہر جگہ اپنے ہندو ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ایسی کوئی داخلی شہادت نہیں ملتی کہ انھوں نے مذہب تبدیل کیا ہو''۔ مضمون میں کوثری کا سالِ انتقال ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۴۱ء لکھا ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ ''ان کے کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان اہلِ تشیّع کے مسلک کی طرف تھا''۔ صاحبِ مضمون نے دلّو رام کوثری کی ۹ نعتیں اور ایک رباعی اس انداز سے نقل کی ہے کہ پڑھنے والا اسی کو کوثری کا سارا ذخیرۂ نعت سمجھے۔ نیز انھوں نے محمد الدین فوق کی تالیف ''اذانِ بت کدہ'' کو کوثری کی نعتوں کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

دلّو رام کوثری کی شخصیت اور شاعری کے ذکر میں محولہ بالا معاملات کی وضاحت کے علاوہ بعض دیگر معاملات قارئینِ ''قومی زبان'' کی نذر ہیں:

شفیق بریلوی نے اپنے انتخاب ''ارمغانِ نعت'' میں چودھری دلّو رام کوثری کو ''آنجہانی'' لکھا ہے(۱)۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری نے ''اردو شاعری میں نعت'' میں کوثری کے اسلام کا ذکر نہیں کیا(۲)۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے (۳) سید افضال حسین نقشؔ فتح پوری اپنی کتاب (۴) اور اطہر قادری اور اسد نظامی اپنے مضامین (۵)

میں بھی ان کے اسلام لانے کی بات نہیں کرتے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں بھی دلّو رام کوثری کے مسلمان ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے ذاتی رغبت و محبت کے سبب تہذیبی و ثقافتی طور پر کوثری ایک مسلمان بھی تھے(۶)۔

بعض حضرات نے کوثری کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔ ممتاز حسن کا ذکر تو شفقت رضوی اپنے مضمون میں کر ہی چکے ہیں۔ انھوں نے لکھا ''آخر عمر میں کوثری علی کوثری ہو گئے تھے'' (۷)۔ پروفیسر سید یونس شاہ کہتے ہیں۔ ''رسولِ خدا ﷺ کی نعت گوئی آخر رنگ لائی اور یہ دلّو رام کوثری سے کوثر علی کوثری بن گئے۔ ممدوح نے مدّاح کو اپنی طرف کھینچ لیا(۸)۔ پروفیسر خالد بزمی نے لکھا، ''آخر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور کوثر علی کوثری ہو گئے۔ ان کا مزار غالباً لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں ہے(۹)۔

نور احمد میرٹھی نے کوثری کے ایک مجموعۂ نعت ''گلبنِ نعتِ کوثری'' کا ذکر کیا ہے جو حکیم ظہیر الدین قریشی متوطن ویلور نے ترتیب دیا ہے اور مدینہ پریس مدراس میں طبع ہوا ہے۔ اس کا سنِ اشاعت ۱۳۵۸ھ ہے۔ اس میں مرتب نے ''عرضِ حال'' کے عنوان سے لکھا: ''دس بارہ سال پیشتر جب کہ اخبار ''نجات'' بجنور جاری ہوا اور میں اس کا خریدار تھا، ایک نہایت جاذبِ توجہ تحریر بصارت افروز ہوئی تھی کہ جناب چودھری دلّو رام صاحب کوثری فلاں سن اور ماہ تاریخ میں فلاں بزرگ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا مبارک نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ اس نوید جاں فزا سے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی..... اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو خدا انھیں استقامت بخشے اور ہمیں ان کی برادری کا شرف عطا کرے۔ آمین'' (۱۰)۔ اس طرح جن حضرات نے کوثری کے مسلمان ہونے کی بات کی ہے انھوں نے بھی سن نہیں لکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آقا حضور ﷺ کے یہ مدحت سرا آخری عمر میں (۱۹۲۹) مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور ان کا نام عبدالرحمٰن نہیں، کوثر علی رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین لکھتے

ہیں: بالآخر ۱۹۲۹ء میں انھوں نے سیّد حبیب مدیر ''سیاست'' لاہور کو حیدرآباد دکن سے ایک خط لکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا:

''میں نے تمام ادیان و مذاہب کی تحقیق کے بعد خوب اچھی طرح معلوم کر لیا ہے کہ خدا کا آخری اور سچا مذہب اسلام ہے۔ مجھے حقانیتِ اسلام کا حق الیقین ہو چکا ہے اس لیے سرِ عجز و نیاز خدائے بے نیاز کے آگے امتِ رسول ﷺ کو گواہ بنا کے جھکانا چاہتا ہوں۔

مخلص دیرینہ دُھورام کوثری
مقیم مسافر خانہ مقام حویلی۔ حیدرآباد (۱۱)

راقم الحروف نے ماہنامہ ''نعت'' لاہور بابت اگست ۱۹۸۸ء بعنوان ''غیر مسلموں کی نعت'' (حصہ اوّل) میں شامل اپنے مقالے ''سرکار ﷺ کے ہندو اور سکھ مدحت نگار'' میں (۱۲) اور اپنی کتاب ''غیر مسلموں کی نعت گوئی'' (۱۳) میں کوثری کے قبولِ اسلام کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

پروفیسر شفقت رضوی نے کوثری کا سالِ انتقال ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء لکھا ہے۔ ۱۳۳۳ھ نومبر ۱۹۱۴ء میں شروع ہوا تھا۔ (۱۴) شفیق بریلوی اور فضل فتح پوری نے ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۵ء لکھا ہے (۱۵) یہ سن یوں بھی غلط ہے کہ ۱۳۵۶ھ/ مارچ ۱۹۳۷ء میں شروع ہوا اور مارچ ۱۹۳۸ء میں ختم ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں ہجری سال ۱۳۶۴ھ تھا (۱۶) ڈاکٹر ریاض مجید نے ۱۳۶۵ھ لکھا ہے جو نومبر ۱۹۴۵ء میں شروع ہوا اور نومبر ۱۹۴۶ء تک رہا (۱۷) منشی محمد الدین فوق کی ''اذانِ بُت کدہ'' میں ہے کہ وفات ۱۹۳۳ء میں ہوئی (۱۸) ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے بھی یہی لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چودھری کوثر علی کوثری نے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو گیارہ بجے قبل از دوپہر، سرائے محمد شفیع، واقع انار کلی لاہور میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔ مرحوم نے دو خُرد سال لڑکیاں (۱۹) اور ایک لڑکا کاظم علی (۲۰) اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کی نمازِ جنازہ مولوی حفظ الرحمن نے پڑھائی اور انھیں میانی صاحب میں سپردِ خاک کیا گیا۔ (۲۱)

اخبار ''انقلاب'' لاہور نے جنازہ پڑھانے والے مولوی کا نام مولوی حفظ الرحمن منہاس لکھا ہے اور خبر کے آخر میں تحریر کیا ہے: جن اصحاب کے پاس کوثری صاحب کا غیر مطبوعہ کلام ہو وہ اسے مولوی حفظ الرحمن صاحب، پیسہ اخبار سٹریٹ کے پتے پر بھیج دیں۔ (۲۲)

پروفیسر شفقت رضوی نے لکھا ہے: ''انھوں نے کثیر تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں جن میں الہامِ کوثری، مثنوی بارہ دری، جلوۂ حیدری، گلشنِ خلیل، مدحِ پنجتن پاک، مسدسِ کوثری اور معجزۂ گوہر کی اشاعت غلام عباس نے کی تھی۔ ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ دین محمد فوقؔ (۲۳) نے ''اذانِ بت کدہ'' کے نام سے مرتب کیا''۔

ڈاکٹر سیّد صفدر حسین نے ان کی دس مطبوعات کے نام لکھے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ خواجہ حسن نظامی نے ''ہندو کی نعت'' کے نام سے کوثری کا مجموعۂ کلام بھی شائع کرایا تھا (۲۴) اگرچہ انھوں نے دس مطبوعات کی جو فہرست دی ہے اس میں ''ہندو کی نعت'' کا نام نہیں دیا۔

پروفیسر اظہر قادری لکھتے ہیں:

''انھوں نے ایک غیر منقوط دیوان بھی مرتب کیا۔ ان کے تخلص کوثری میں چوں کہ حروف منقوط (۲۵) بھی شامل ہیں اس لیے اس دیوان میں کوثری کی جگہ اپنا اصلی نام ''دُھورام'' تخلص کے طور پر استعمال کیا۔'' (۲۶)

ڈاکٹر سیّد صفدر حسین نے بھی دیوانِ بے نقط کا ذکر کیا ہے اور اس کا نام ''اسرارِ اردو'' لکھا مگر یہ نہیں لکھا کہ اس میں نعتیں تھیں یا غزلیں (۲۷) نور احمد میرٹھی نے بھی لکھا ہے کہ آپ نے ایک دیوان غیر منقوط ردیف وار محمد و آلِ محمد ﷺ کی مدح میں لکھا ہے'' (۲۸) ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری نے تو اس دیوان کا ذکر یوں کیا ہے جیسے واقعی انھوں نے دیکھا ہو۔ لکھتے ہیں:

''ان کا یہ نعتیہ دیوان زبان و دل کا دل کش سنگم ہے۔ زبان کی صفائی و جذبات کی پاکیزگی ان کے نعتیہ کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں لیکن ان کی سادگی میں بلا کی پُرکاری ہے''۔ (۲۹)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی صاحب نے یہ دیوان نہیں دیکھا ورنہ بتاتے کہ اس میں کیا کچھ ہے، کتنی نعتیں ہیں، کتنے مناقب یا نظمیں ہیں، وغیرہ۔ مجھے کہیں سے اس دیوان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی اس لیے میرا گمان ہے کہ ایسا کوئی ردیف وار دیوان چھپا ہی نہیں۔

شفقت رضوی نے ''اذانِ بت کدہ'' کو کوثری کا نعتیہ مجموعہ لکھا ہے، جو درست نہیں، یہ کتاب تو ہندوؤں کی نعت گوئی اور منقبت گوئی کے حوالے سے مرتب کی گئی ہے۔

نوراحمد میرٹھی نے ''گلبنِ نعتِ کوثری'' کا ذکر کیا ہے۔ اس کے سرورق کی عکسی نقل بھی شامل کتاب کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے جس میں ڈُگورام کوثری کے خودنوشت حالات بھی ہیں۔ اگر وہ اس کے مندرجات کی تفصیل بھی دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔

کوثری کی اہم کتاب ''آبِ کوثر'' ہے۔ اس کی عکسی نقل میرے پاس ''نعت لائبریری'' میں محفوظ ہے۔ ۶۴ صفحات کی یہ کتاب کتب خانہ اثناعشری رجسٹرڈ لاہور نے شائع کی۔ کتاب گیلانی پریس، لاہور سے چھپی، سنِ اشاعت درج نہیں۔ کتاب میں دس نعتیں، ایک نعتیہ رباعی، ۶ مناقب، ''حصار اسلام'' کے عنوان سے دو غیر منقوط رباعیاں، ۲ نظمیں اور ۲۷ بند کا ''جنت البقیع'' کے عنوان سے مسدس شامل ہے۔ (۳۰)

میرے پاس کوثری کی ایک کتاب ''بزمِ کوثری'' ہے جو خان فتح محمد ناز جھنگوی نے مرتب کی۔ صفحات چالیس ہیں۔ مولوی فیض محمد نے ملتان سے شائع کی۔ شروع کے ''قصائد'' میں تین نعتیں ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت علیؓ کے چار مناقب اور چھ مسدس ہیں۔ ان میں سے تین مسدس اُحُد، خندق اور خیبر کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ آخر میں ایک رباعی ہے۔ ''بزمِ کوثری'' کا ذکر ڈاکٹر سید صفدر حسین نے نہیں کیا۔

مکتبہ اثناعشری رجسٹرڈ، لاہور نے ''آبِ کوثر'' کے علاوہ کوثری کی دو اور کتابیں بھی شائع کیں۔ ''بشارتِ انجیل'' میں مسدس کے ۵۱+۷۷=۱۲۸ بند حضرت علیؓ کی شان میں اور ۲۲ بند حضرت عباسِ علمدار کی شان میں ہیں۔ ''قرآن اور حسینؓ '' میں مسدس کے ۷۷ بند۔ آخر میں ''قرآن کھلا معجزہ ہے''، ''صبرِ حسین علیہ السلام'' اور ''مدحِ حضرت فاطمہ زہرا خاتونِ جنتؓ '' کے عنوان سے تین نظمیں بھی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں بھی میرے ذخیرہ کتب میں ہیں۔

شفقت رضوی نے کوثری کی پیدائش کا دن ''دوشنبہ'' لکھا ہے جب کہ ''بزمِ کوثری'' میں سید حسن رضا تسلیم موسوی المشہدی نے ''سہ شنبہ'' لکھا ہے(۳۱)

شفقت رضوی نے لکھا ہے: ''ان کے کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان اہلِ تشیع کے مسلک کی طرف تھا۔ یہ بات اس حد تک درست ہے کہ کوثری نے نعتوں سے بھی زیادہ مناقب اہل بیت لکھے ہیں لیکن اہلِ تشیع اصحابِ ثلاثہ کی تعریف نہیں کرتے جب

کہ کوثری کا یہ شعر تو شفقت رضوی نے ان کے نعتیہ کلام میں نقل کیا ہے:

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
یہی ہیں چار یارانِ محمد ﷺ

اور کوثری کی اہم ترین کتاب ''آبِ کوثر'' میں حضرت فاروق اعظمؓ کے دو مناقب ہیں، پہلی منقبت کے دو شعر دیکھیے:

یا عمر فاروقِ اعظمؓ اے امیرِ با کرم!
تیری ہیبت سے کیا سر سرکشوں نے ڈر کے خم
مفتخر تجھ سے رہا تختِ خلافت دہر میں
تو نے ہر اک ملک میں گاڑا شریعت کا عَلَم

دوسری منقبت کا عنوان ہے: ''فاتحِ بیت المقدس''۔ دو شعر یہ ہیں:

یا عمر فاروقِ اعظمؓ تیرا واجب ہے ادب
شاملِ یارانِ احمد ﷺ تو بھی ہے اے حق طلب
رونقِ اسلام تیرے عہد میں ایسی ہوئی
اہلِ عالم کی نگاہوں سے گرے ادیان سب (۳۲)

شفقت رضوی نے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتابوں سے کوثری کے بارے میں آرا نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا:

''کوثری کی نعت پر غزل و تغزل کے اثرات نمایاں ہیں، مگر ان کے اسلوب میں داخلیت کے عنصر نے ان کی نعت کو حسن و تاثیر سے بھر دیا ہے۔ عشقِ محمدی ﷺ کی سرشاری اور ذوقِ نعت سے شیفتگی کا اظہار ان کی نعت گوئی کے نمایاں اوصاف ہیں''۔ (۳۳)

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری لکھتے ہیں:

''ڈُگورام کوثری کی شخصیت حقیقی نعت گو شاعر کے عناصر سے مزین ہے، انھوں نے رسمی نعتوں سے ہٹ کر بہت سی جان دار نعتیں کہی ہیں جن میں زندگی سانس لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ....کوثری نے خارجی اور داخلی، دونوں طرز ہائے بیان کی استعداد سے اپنے شعری

مسلک میں نعتیہ شہ پارے پروئے ہیں''۔ (۳۴)

پروفیسر سید یونس شاہ کی رائے ہے:

''ان کی نعتیہ شاعری جذباتِ عالیہ اور خلوص و محبت میں وابستگی کی عمدہ مثال ہے۔ ان کی زندگی اسی کاوش اور فکر میں بسر ہوئی' چناں چہ اس میدانِ خاص میں انھوں نے وہ جوہر دکھائے کہ شاذ و نادر کسی اور کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہوگا''۔ (۳۵)

شفقت رضوی کے محولہ بالا مضمون میں کوثری کی نو نعتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں بھی نعت نمبر (۱) کے پانچ شعر صفحہ ۵۱ پر' اور ۲۳۔ اشعار صفحہ ۵۳ سے ۵۵ تک درج ہیں۔ نعت نمبر (۲) کے آٹھ اشعار دیئے گئے ہیں جب کہ ''بزمِ کوثری'' میں گیارہ ہیں۔ نعت نمبر (۳) کے مقطع سے پہلے شعر میں ''مرے'' کو ''مری'' لکھا ہے۔ نعت نمبر (۴) کے مقطع کا دوسرا مصرع غلط لکھا گیا ہے۔ درست مصرع یہ ہے:

غل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ ہے

صفحہ ۵۴ پر بھی دو مصرعے غلط نقل ہوئے ہیں۔ ''آبِ کوثر'' میں یہ دونوں مصرعے یوں ہیں:

دیا خضر کو چشمۂ آبِ حیواں
مرے منہ سے منظور تھی نعتِ حضرت ﷺ

صفحہ ۵۵ پر بھی ایک مصرع درست نقل نہیں ہوا۔ مصرع یہ ہے:

میں کوثر سے پنجاب میں آیا یارو

''بزمِ کوثری'' میں نعت نمبر (۵) کے پانچ اشعار زیادہ ہیں۔ مضمون میں آخری مصرعے میں ''جپا'' کو ''جیا'' لکھا ہے۔ نعت نمبر (۶) میں بھی دو اشعار کم ہیں۔ نعت نمبر (۷) کے آخری مصرعے میں ''کی'' کے بجائے ''کہ'' لکھا گیا ہے۔ نعت نمبر (۸) میں دو مصرعے غلط ہیں۔ صحیح مصرعے یہ ہیں:

ہندو سہی مگر ہوں ثناخوانِ مصطفیٰؐ
اب کیا کہوں' بتا دیا جو کچھ بتا سکا

کوثری کی جن نعتوں کا کوئی شعر شفقت رضوی کے مضمون میں نہیں' ان کے چند اشعار

ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

تھا مجھے عشقِ محمد ﷺ جب کہ یہ عالم نہ تھا
بس خلا ہی تھا خلا' حوّا نہ تھی' آدم نہ تھا
چاند' سورج' آسماں' تارے' زمیں' دریا نہ تھے
گل نہ تھا' گلشن نہ تھا اور قطرۂ شبنم نہ تھا
کوثری اس وقت بھی تھا مجھ کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ
آج کل جیسا ہے عشق' ایسا ہی تھا' کچھ کم نہ تھا (۳۶)

ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمارا
محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
محشر میں بچا لیں گے نبی ﷺ مجھ کو یہ کہہ کر
چھیڑو نہ اسے' یہ تو ہے دیوانہ ہمارا (۳۷)

مدینے میں مجھ کو بلا یا محمد ﷺ
ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد ﷺ
نہ کھولوں گا برقِ تجلی سے آنکھیں
تصوّر ہے تیرا سدا یا محمد ﷺ
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے
تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمد ﷺ
نہیں بادشاہوں کی کچھ مجھ کو پروا
ترے در کا ہوں میں گدا یا محمد ﷺ
ترا کوثری رہتا ہے ہندوؤں میں
ہے ظلمت میں آبِ بقا یا محمد ﷺ (۳۸)

گزری ہے مری عمر پیمبر ﷺ کی ثنا میں
بھرے ہوئے اصنام مرے شعر کے غُل سے
ہر چند مصائب میں گرفتار ہوں لیکن
غافل میں نہیں نعتِ شہنشاہ رُسُل ﷺ سے (۳۹)

امید میں رکھتا ہوں جنابِ احدی سے
الفت ہے محمد ﷺ سے محبت ہے علیؑ سے
طفلی سے فدا نام محمد ﷺ پہ ہوا ہوں
اسلام پہ شیدا ہوں میں سو جان سے جی سے
ہر چند ہے اغیار کا مجمع بڑا بھاری
پر عاشق حضرت ﷺ نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
دل دولتِ اسلام سے بندے کا غنی ہے
آسودہ میں کونین میں ہوں نعتِ نبی ﷺ سے (۴۰)

درجہ ہے سب رسولوں سے بڑھ کر رسول ﷺ کا
ثانی نہیں کوئی پسِ داور رسول ﷺ کا
اُمّی لقب اگرچہ تھا اس شاہ ﷺ کا مگر
تھا صدر علم صدرِ منوّر رسول ﷺ کا
کیوں کوثریؔ مجھے ہو طلب عز و جاہ کی
کیا کم ہے یہ شرف ہوں ثنا گر رسول ﷺ کا (۴۱)

کر اے ہندوؔ بیاں اس طرز سے تو وصف احمد ﷺ کا
مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغِ مہند کا
جدا کب لام دلّوؔ رام ہے میمِ محمد ﷺ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدّد سے مشدّد کا

محمد ﷺ اور دلّوؔ رام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ ہے مدّاح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا
محمد ﷺ کی شفاعت پر یقیں تھا نعت گوؤں کو
کسی نے قافیہ باندھا نہیں اب تک جو ''شاید'' کا
لکھوں کیا کوثری میں کون سا قصّہ ہے اب باقی
محمد ﷺ جب خدا کا ہے خدا جب ہے محمد ﷺ کا (۴۲)

حواشی

(۱) شفیق بریلوی (مرتب) ۔ ارمغانِ نعت ۔ ص ۳۷۵

(۲) آزاد فتح پوری' ڈاکٹر اسمٰعیل ۔ اردو شاعری میں نعت ۔ جلد اوّل (ابتدا سے عہدِ محسنؔ تک) ص ۶۱' ۶۲ / جلد دوم (حالیؔ سے حال تک) ص ۲۴۱ تا ۲۴۵

(۳) رفیع الدین اشفاق' ڈاکٹر ۔ اردو میں نعتیہ شاعری ۔ ص ۵۳۳

(۴) فضل فتح پوری' سید افضال حسین نقوی ۔ اردو نعت: تاریخ و ارتقا ۔ ص ۱۳۵

(۵) مہک (مجلہ) گورنمنٹ کالج گوجرانوالا ۔ اشاعتِ خصوصی نذرِ عقیدت بحضور سرورِ کونین ﷺ ۔ ص ۳۱۶ / الہام (ہفت روزہ) بہاولپور ۔ نعت نمبر ۔ ص ۱۱۹

(۶) ریاض مجید' ڈاکٹر ۔ اردو میں نعت گوئی ۔ ۵۷۲

(۷) ممتاز حسن (مرتب) ۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں ۔ ص ۳۶' ۳۷ (مقدمہ)

(۸) یونس شاہ' پروفیسر سید ۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو حصہ دوم ۔ ص ۴۱۸

(۹) شام و سحر (ماہنامہ) لاہور ۔ نعت نمبر (۱) ۔ ص ۲۵۱

(۱۰) نور احمد میرٹھی ۔ بہر زماں بہر زباں ۔ ص ۵۰۷

(۱۱) صفدر حسین' ڈاکٹر سید ۔ رزم نگارانِ کربلا ۔ ص ۲۸۷' ۲۸۸ (بحوالہ ''انقلاب'' ۴ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ / ۷ نومبر ۱۹۲۹ء)

(۱۲) نعت (ماہنامہ) لاہور ۔ اگست ۱۹۸۸ء ۔ ''غیر مسلموں کی نعت'' حصہ اوّل ۔ ص ۵۶

(۱۳) راجا رشید محمود۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی۔ ص ۲۵۶

(۱۴) ضیاء الدین لاہوری۔ جوہرِ تقویم۔ ص ۲۱۴، ۲۱۵

(۱۵) ارمغانِ نعت۔ ص ۳۷۵/ اردو نعت: تاریخ و ارتقا۔ ص ۱۳۵

(۱۶) جوہرِ تقویم۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹

(۱۷) اردو میں نعت گوئی۔ ص ۱۷۵/ جوہر تقویم۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹

(۱۸) استقلال (ہفت روزہ) لاہور۔ ۴ تا ۱۰ مئی ۱۹۸۴ء۔ ص ۳۰

(۱۹) ڈاکٹر سید صفدر حسین نے ان کے نام لالا دوبائی اور شانتی بائی لکھے ہیں۔

(۲۰) ''انقلاب'' لاہور (۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء) اور ''الفقیہ'' امرت سر (۷ جنوری ۱۹۳۲ء) میں یہی نام چھپا ہے۔ ڈاکٹر صفدر حسین ''طالب علی'' بتاتے ہیں اور ہندووانی نام ''داتار سنگھ'' لکھتے ہیں۔

(۲۱) الفقیہ (ہفت روزہ) امرت سر ۷ جنوری ۱۹۳۲ء ۲۸ شعبان ۱۳۵۰ھ۔ ص ۱۱

(۲۲) رزم نگارانِ کربلا۔ ص ۲۸۷

(۲۳) پروفیسر شفقت رضوی نے نام غلط لکھا ہے۔ اصل نام ہے: محمد الدین فوق۔

(۲۴) رزم نگارانِ کربلا۔ ص ۲۸۷

(۲۵) کوثری میں صرف ایک حرف ''ث'' منقوط ہے۔

(۲۶) مہک گوجرانوالا اشاعتِ خاص۔ ص ۳۱۶

(۲۷) رزم نگارانِ کربلا۔ ص ۲۸۹

(۲۸) بہرِ زماں بہرِ زباں۔ ص ۵۰۶

(۲۹) اردو شاعری میں نعت۔ جلد اوّل۔ ص ۴۲

(۳۰) نعت (ماہنامہ) لاہور۔ جولائی ۱۹۹۰ء۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ چہارم)۔ ص ۲۳

(۳۱) ڈُلّورام کوثری چودھری۔ بزمِ کوثری۔ ص ۲

(۳۲) ڈُلّورام کوثری۔ آبِ کوثر۔ ص ۴۷ تا ۵۲

(۳۳) اردو میں نعت گوئی۔ ص ۵۷۲

(۳۴) اردو شاعری میں نعت' جلد اوّل۔ ص ۶۱، ۶۲/ جلد دوم۔ ص ۲۳۲

(۳۵) تذکرہ نعت گویانِ اردو۔ جلد دوم۔ باب ششم۔ ص ۲۱۶

(۳۶) آبِ کوثر۔ ص ۱۳، ۱۴/ فانیؔ مراد آبادی (مرتب) ہندو شعرا کا نعتیہ کلام۔ ص ۱۲۶/ عبدالمجید خادم سوہدروی (مرتب)۔ ہندو شعراء کا نعتیہ کلام۔ ص ۱۷ (یہ آٹھ اشعار کی ایک نعتیہ نظم ہے)

(۳۷) آبِ کوثر۔ ص ۱۲، ۱۳۔ سات اشعار ہیں۔ خادم سوہدروی کی کتاب میں پوری نعت ہے جب کہ فانیؔ کی کتاب میں پانچ اشعار ہیں (ص ۶، ۷/ ص ۱۴۰ بالترتیب)

(۳۸) آبِ کوثر ص ۶ تا ۸/ فانیؔ مراد آبادی (مرتب) ہندو شعرا کا نعتیہ کلام۔ ص ۶۴/ خادم سوہدروی (مرتب) ہندو شعرا کا نعتیہ کلام۔ ص ۹، ۸/ جعفر حسین خاں جون پوری (مرتب) رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ' مطبوعہ لکھنؤ۔ ص ۲۹ (دس اشعار ہیں)

(۳۹) یہ نعت آبِ کوثر یا بزمِ کوثری میں نہیں ہے۔ فانی اور خادم کی مرتبہ کتابوں میں اس نعت کے چھے اشعار ہیں۔ (ص ۲۸۔ ص ۱۱)

(۴۰) یہ نعت بھی آبِ کوثر یا بزمِ کوثری میں نہیں ہے۔ فانی اور خادم کی مرتب کردہ کتابوں میں اس کے ۱۹ اشعار ہیں (ص ۱۳۰۔ ص ۱۱)

(۴۱) اس نعت کے ۹' اشعار خادم کی کتاب میں اور پانچ اشعار فانی کی کتاب میں ہیں (ص ۱۰، ۱۱۔ ص ۱۳۲) کتاب ''ہندو شعراء کا نذرانۂ عقیدت'' مطبوعہ گوجرانوالا میں چار اشعار ہیں۔ اس کتاب میں پہلا مصرع یوں لکھا ہے: ''اوّل ہے سب رسولوں میں نمبر رسول ﷺ کا''۔ ''گلدستۂ نعت'' مرتب ضیا محمد ضیاؔ و طاہرؔ شادانی میں اس نعت کے سات اشعار ہیں (ص ۸۱)

(۴۲) ''آبِ کوثر'' میں چھے اشعار (ص ۲۱، ۲۲)' رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ'' میں چھے اشعار (ص ۱۳۰) تذکرۂ نعت گویانِ اردو' حصہ دوم میں سات اشعار (ص ۲۱۷) اور خادم سوہدروی کی کتاب میں چھے اشعار ہیں (ص ۸) پروفیسر سید یونس شاہ نے ''شاید'' کے قافیے والا شعر ماہنامہ ''صوفی'' پنڈی بہاء الدین کے مارچ ۱۹۱۲ء کے شمارے کے حوالے سے دیا ہے۔ آبِ کوثر میں یہ شعر نہیں ہے۔

(ماہنامہ ''قومی زبان'' انجمن ترقیٔ اردو پاکستان' کراچی۔ جون ۱۹۹۷)

لچھمی نرائن سخا کی نعت گوئی کا تخصص

غیر مسلموں نے بھی حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہر دیکھ کر اور انسانیت پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے احسانات کے زیر اثر آپؐ کی تعریف و توصیف میں تر زبانی کی۔ چودھری دِلّو رام کوثری کی "آبِ کوثر" (۱) پنڈت بالمکند عرشؔ ملسیانی کی "آہنگِ حجاز" (۲) مہاراجا سرکشن پرشاد شادؔ کی "ہدیۂ شاد" (۳) اور چرن سرن نازؔ مانکپوری کی "رہبرِ اعظم" (۴) خاص طور پر نعت کے مجموعے ہیں۔ منشی پیارے لال رونقؔ دہلوی کے دیوان "رونقِ سخن" (۵) میں ردیف الف، د، س، م اور ی میں ان کی آٹھ نعتیں ملتی ہیں۔ راجا مکھن لال مکھنؔ کے دیوان کا قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ، حیدر آباد دکن میں موجود ہے جس کے حصۂ اوّل میں نعتیہ کلام ہے۔ (۶) پنڈت بھگوہن ناتھ ہلو فداؔ دہلوی کے "دیوانِ فدا" (۷) میں تین نعتیں اور ایک تضمین بر نعتِ قدسیؔ ہے۔ اس کے علاوہ غزلوں میں بھی کئی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ (۸)

غیر مسلم شاعروں کی نعتوں کو سب سے پہلے قانیؔ مراد آبادی نے "ہندو شعرا کا نعتیہ کلام" (۱۰) کے نام سے جمع کیا۔ بعد میں اس سلسلے میں جتنا کام ہوا، اس کی بنیاد یہی کتاب بنی۔ بعض مضمون تو محض اس کتاب کو سامنے رکھ کر لکھ لیے گئے۔ اسی نام سے عبد المجید خادم سوہدروی (۱۱) نے بھی کتاب مرتّب کی۔ مکتبہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ نے "ہندو شعرا کا نذرانۂ عقیدت" (۱۲) شائع کی۔ نور احمد میرٹھی نے "نورِ سخن" (۱۳) کے نام سے کام کیا اور اسے حسنِ طباعت کے اہتمام سے شائع کیا۔ ناظر کاکوروی کی "اردو کے ہندو ادیب" میں بھی کچھ نعتیں ملتی ہیں۔

اردو کے غیر مسلم شاعروں کی نعتیں ممتاز حسن کے انتخابِ نعت (۱۴)، ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کے مقالہ "اردو کی نعتیہ شاعری" (۱۵) شفیق بریلوی کی مرتّبہ "ارمغانِ نعت" (۱۶) پروفیسر محمد یونس شاہ کی "تذکرۂ نعت گویانِ اردو" (۱۷) کے علاوہ "شام و سحر" لاہور کے نعت نمبر (۱۸)، "الہام" بہاولپور کے نعت نمبر (۱۹) "مسلک" گوجرانوالہ کے خاص نمبر بعنوان "نذرانۂ عقیدت بحضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم" (۲۰) "محفل" لاہور کے خیر البشرؐ نمبر (۲۱) اور بعض دوسرے رسالوں میں غیر مسلموں کی نعت گوئی پر مضامین شائع ہوئے۔ ماہنامہ "نعت" لاہور اس سے پہلے تین خاص نمبر شائع کر چکا ہے (۲۲)۔

میں جنوری ۱۹۹۳ء میں دہلی گیا تو جامعہ ملّیہ کی لائبریری میں لالہ لچھمی نرائن سرِواستو سخاؔ کی "معراجِ محبت" نظر سے گزری۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۷ء میں چھپی۔ مرتب سیّد احمد علی شاہ جعفری قمرؔ اور ناشر پروفیسر اقبال نارائن سرِواستو ہیں۔ سخاؔ کے اس مجموعۂ کلام کے حصّہ نعت میں پچاس نعتیں تھیں۔ اس سے پہلے قانیؔ مراد آبادی کی کتاب میں سخاؔ کی پانچ نعتیں ہمارے سامنے تھیں۔ ایک نعت تو دونوں کتابوں میں ہے۔ "معراجِ محبت" کی نعتوں میں کتابت کی خاصی غلطیاں پائی جاتی ہیں، بعض جگہوں پر طباعت کی خامیوں نے بھی اپنا رنگ دکھایا ہے۔ بہرحال، حتی الوسع احتیاط سے یہ نعتیں ایڈٹ کر کے پیش کر رہا ہوں۔

غیر مسلموں کی اردو نعتوں میں عام طور پر وہی مضامین پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی کہی ہوئی نعتوں میں ملتے ہیں۔ کہیں کہیں جہاں شاعر کی ذات نمایاں ہوتی ہے، وہاں انفرادیت بھی جھلکتی ہیں مثلاً دِلّو رام کوثری عام طور پر اپنے ہندو ہونے کے حوالے سے بات کرتے رہے۔ لچھمی نرائن سخاؔ بطور خاص اپنے ہندو ہونے کا ذکر نہیں کرتے البتّہ کہیں کہیں مسلمانوں سے خطاب ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ جو بھی مضمون باندھتے ہیں وہ رسمی نہیں ہوتا، اس میں ان کی ذات کے حوالے سے ایک مؤثر بے ساختگی پائی جاتی ہے اور یہی سخاؔ کا تخصّص ہے۔

مثلاً نعت گوئی کا ذکر کرتے ہیں تو کہیں کہیں نیا مضمون بھی باندھتے ہیں کہ میری

نعت گوئی میں حضرت جبریلؑ یہ اصرار کر کر کے مخل ہو رہے ہیں کہ سخاؔ تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا روح الامین کہہ کے پکار۔

فکرِ وصفِ مصطفیٰؐ میں ہیں مخل روح الامینؑ
کہتے ہیں، کہہ دے سخاؔ روح الامینِ مصطفیٰؐ

لیکن اس موضوع پر جو دوسرے اشعار کہے ہیں، ان میں بھی ان کے ذاتی حوالے نے بے ساختگی کی عجیب دل خوش کن فضا پیدا کر دی ہے:

مری پُرسش خدا کے سامنے کیا جانے، کیونکر ہو
کہاں ہے نعت گوئے ہند؟ اگر یوں ہو تو بہتر ہے
اے سخاؔ، جان گئے جاننے والے تجھ کو
نعت کہتا ہے، تو فردوس کی تدبیر میں ہے
سخن یہ ہے، لکھوں وصفِ حبیبؐ کبریا کیا کیا
کلامُ اللہ سے باقی رہی ان کی ثنا کیا کیا

عشقِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یا اس عشق کا دعویٰ ہی تو نعت گوئی کی بنیاد ہے۔ سخاؔ اس موضوع پر یوں قلم اٹھاتے ہیں:

دل میں گر عشقِ نبیؐ ہو تو ہے انساں انساں
ورنہ کیا خاک پھر اس خاک کی تصویر میں ہے
خدا کی بندگی یہ ہے کہ اوّل عشقِ احمدؐ ہو
خدا کا عشق کیا کہنا، مگر یوں ہو تو بہتر ہے
کیا کہوں کیفیتیں عشقِ نبیؐ کے درد کی
بس فقط اتنا سمجھ لو تم، شفا کچھ بھی نہیں
جب سے ہے عشقِ نبیؐ، عشقِ نبیؐ سے پہلے
جو کیا ہم نے، وہ بیکار نظر آتا ہے

حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی نگاہِ لُطف کی ہمہ گیری کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

زمانے کو ہے کافی اک نگاہِ لطفِ احمدؐ کی
پریشانی مری کیا، اک مرا حال پریشاں کیا

سخاؔ کو آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے کرم پر اتنا بھروسا ہے کہ اگر کوئی دریوزہ گر سرکارؐ سے دولتِ دارین بھی مانگ لے تو اس درِ لُطف و عطا سے خالی نہ لوٹے گا۔

وہ کرم ہے آپؐ کا، یہ دولتِ دارین اگر
مانگتا ہوں میں تو گویا مانگتا کچھ بھی نہیں

وہ رُوئے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نورانیت کے موضوع کو اپنے ذاتی حوالے سے بے ساختگی کے اُسلوب میں یوں بیان کرتے ہیں:

رخِ احمدؐ نہیں دیکھا، تو پھر کس طرح سمجھو گے
بتا بھی دوں اگر، کیونکر ہوئے شمس و قمر پیدا

محشر کے مضمون پر تین اشعار ملاحظہ فرمائیے:

سو بار پھُنکے صُور کہ سو بار ہو محشر
کیا ہوش میں آئیں گے یہ مستانِ مدینہ؟
ہمی کو دیدِ احمدؐ سے تو سیری ہی نہیں اب تک
یہ تم کیا کہہ رہے ہو اہلِ محشرؑ، ہو چکا کیا کیا
غلامِ رحمتہؐ للعالمینؐ ہوں، صاف کہہ دوں گا
ربؑ، اُن کا داورِ محشر ہے تُوؑ، ہے تجھ کو شایاں کیا

محب و محبوب (خدا و مصطفیٰ جلّ شانہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے موضوع پر بھی زائن سخاؔ کو سُنیئے:

کچھ شک ہو اگر تم کو تو جبریلؑ کو لاؤں
گفتارِ خدا ملتی ہے گفتارِ نبیؐ سے

رحم کر' بندہ ترا ہوں' کچھ ہوں۔ یا یوں رحم کر
ہے سوالی عاشقِ اندوہ گینِ مصطفیٰ

کلیمؑ و حبیبؐ کے مضمون کو نعت گووں نے خوب خوب باندھا ہے' سحّا کا تخیّل دیکھئے:

کلیمؑ پوچھتے ہیں آپؐ سے شبِ معراج
محمدؐ! آپ نے کیوں کر خدا کو دیکھ لیا
محمدؐ کی سی آنکھیں ہی نہ تھیں تو حضرتِ موسیٰؑ
مناسب ہی نہ تھا یوں طالبِ دیدار ہو جانا

عدمِ سایۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک شعر ہے:

کرم دیکھو خدا کا' کس طرح محفوظ رکھا ہے
برائے آفتابِ حشر سایہ اُس سہی قد کا

اس نعت کے ایک شعر میں میلاد و معراج کا ذکر کس انوکھے انداز سے کرتے ہیں' ملاحظہ فرمائیے:

زمیں پر ان کی آمد کی یہ جتنی دھوم ہے' کم ہے
فلک پر غلغلہ ہے آج تک دم بھر کی آمد کا

مدینۂ منورہ کے تذکرے میں اس غیر مسلم نعت گو کی زمزمہ سنجیاں دیکھئے:

مجھ کو تو وہاں کا خس و خاشاک ہی لا دو
پُر کیف ہیں مستوں کو سب اشیائے مدینہ
یہ کچھ کم ہے' خبر تو احمدؐ مختار کو کر دی
مرا نالہ مدینے تک گیا اور کام کر آیا
بہشتیں آٹھ کیا' سو ہوں' مدینہ پھر مدینہ ہے
جہاں کے سرِّ پنہاں کو سمجھ سکتا ہے انساں کیا
نبیؐ کے در پہ چلیے' چل کے کیجے جبہ فرسائی
قدم کس واسطے ہیں' کیوں ہوا آخر یہ سر پیدا

اجابت کے فرشتے عرش سے کیوں جا بجا دیکھیں
کہیں کے مدینے میں مری آہِ رسا دیکھیں
گلہ تو ہے مگر کیوں کر کروں خدّامِ روضہ سے
نبیؐ کو دیکھنے والے مری حسرت کو کیا دیکھیں
سفر دنیا سے کرنے میں تأمّل ہے تو اتنا ہے
مدینے کی فضا دیکھیں کہ جنّت کی فضا دیکھیں
ہم نہیں چلتے ترے باغِ ارم کو رضواں
یاں سے چلنا تو مدینے سے جُدا ہونا ہے

مدینۂ طیبہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے سحّا کی شرط دیکھئے:

مدینے سے زیبا ہے جب قصدِ کعبہ
کہ سر دُوسرا' دُوسری اک جبیں ہو

لالہ کچھمی نرائن سروا ستو سحّا جانتے ہیں کہ آج کل کے مسلمان میں وہ خصوصیّات عنقا ہوتی دکھائی دیتی ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانی تعلیمات کے باعث ضروری تھیں۔ وہ اس حقیقت کا اظہار حسرت کے انداز میں یوں کرتے ہیں:

میں کس حسرت سے اُس دورِ نبیؐ کو یاد کرتا ہوں
مسلماں جس میں تھے اہلِ صفا اہلِ وفا کیا کیا

حواشی

۱۔ دتو رام کوثری' پودھری۔ آبِ کوثر۔ کتب خانہ اثنا عشری' لاہور۔ س ن
۲۔ عرش ملسیانی' پنڈت بالمکند۔ آہنگِ حجاز۔ مطبوعہ گوور (بھارت)
۳۔ رفیع الدین اشفاق' ڈاکٹر۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ اردو اکیڈمی سندھ' کراچی۔ ۱۹۷۶
۴۔ ناز نانپوری' چرن سرن۔ رہبرِ اعظمؐ۔ (۱۹۸۶ میں دلّی اُردو اکادمی کے مالی تعاون شائع ہوئی)

۵۔ رونقؔ دہلوی، پیارے لال۔ رونقِ سخن۔ امپیریل بک ڈپو، دہلی۔ ۱۳۲۰ھ

۶۔ اُردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۲۳

۷۔ فداؔ دہلوی، پنڈت جگ موہن ناتھ کو۔ دیوانِ فدا۔ مطبوعہ مطبعِ فیاض، انبالہ۔ س ن

۸۔ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ جون ۱۹۹۰۔ "غیر مسلموں کی نعت، حصہ سوم" ص ۲۵ (مضمون "پنڈت فدا دہلوی کی نعت گوئی" از راجا رشید محمود)

۹۔ حافظ محمد ایوب

۱۰۔ مائلؔ مراد آبادی۔ ہنود شعرا کا نعتیہ کلام۔ عارف پبلشنگ ہاؤس، لائل پور (اب فیصل آباد) س ن

۱۱۔ خادم سہروردی، عبدالمجید۔ ہنود شعرا کا نعتیہ کلام۔ مسلمان کمپنی، لاہور۔ س ن

۱۲۔ "ہندو شعرا کا نذرانۂ عقیدت۔ مکتبۂ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ س ن

۱۳۔ نُور احمد میرٹھی۔ نُورِ سخن۔ ادارۂ فکرِ نو، کراچی۔ ۱۳۰۹ھ

۱۴۔ مُمتاز حسن (مرتب) خیر البشرؐ کے حضُور میں۔ ادارۂ فروغِ اردو، لاہور۔ ۱۹۷۵

۱۵۔ طلحہ رضوی برقؔ، ڈاکٹر۔ اُردو کی نعتیہ شاعری۔ دانش اکیڈمی، آرہ (بھارت)

۱۶۔ شفیق بریلوی (مرتب) ارمغانِ نعت۔ مرکزِ علومِ اسلامیہ، کراچی۔ ۱۹۷۵

۱۷۔ یُونس شاہ، پروفیسر محمد۔ تذکرۂ نعت گویانِ اردو، حصۂ دوم۔ مکہ بکس، لاہور ۱۹۸۴۔

۱۸۔ شام و سحر (ماہنامہ) لاہور۔ نعت نمبر۔ جنوری فروری ۱۹۸۱

۱۹۔ الہام (ہفت روزہ) بہاولپور۔ نعت نمبر ۱۹۸۴ء۔ (مضمون "غیر مسلم شعرا کا نذرانۂ عقیدت" از اسعد نظامی)

۲۰۔ مہک (مجلہ) گوجرانوالہ۔ نذرانۂ عقیدت بحضورِ سرورِ کونینؐ (مضمون از پروفیسر اظہر قادری)

۲۱۔ محفل (ماہنامہ) لاہور۔ خیر البشرؐ نمبر (مضمون "ایک ہندو عاشقِ رسولؐ" از پروفیسر سیّد معراج نیّر)

۲۲۔ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ غیر مسلموں کی نعت حصہ اول (اگست ۱۹۸۸) حصہ دوم (جون ۱۹۸۹) ح سوم (جون ۱۹۹۰)